مضامین رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ



مرتب

مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانویؒ

مفتی اعظم، پنجاب

جدید ترتیب

مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

شائع کردہ

کتب خانہ احرار، جامع مسجد لدھیانہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مضامین رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ

مرتب

مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانویؒ

مفتی اعظم پنجاب

جدید ترتیب: مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر:

کتب خانہ احرار

فیلڈگنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ

تفصیلات

نام کتاب .... مضامین رئیس الاحرارؒ

مرتب .... ولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

باہتمام .... مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر .... کتب خانہ احرار، لدھیانہ

تعداد .... گیارہ سو (۱۱۰۰)

کمپوزنگ .... دلائٹ کمپیوٹر سینٹر دیوبند 7017483817

سن اشاعت اوّل .... ۵؍فروری ۱۹۶۹ء

مقام اشاعت اوّل ...... رحمانی منزل، ۱۹۶۴؍حبیب روڈ، لدھیانہ (پنجاب)

اشاعت دوم .... ۳۰؍فروری ۲۰۲۱ء

MAZAMEEN RAISUL AHRAR

Hazrat Moulana Habib Ur Rehman Ludhianvi

Edit By: Mufti Muhammad Ahmed Rehmani Ludhianvi

First Addition 1959 - Second Addition 2021

Published By:

Maulana Muhammad Usman Rehmani Ludhianvi

Kutub Khana Ahrar

Jama Masjid Ludhiana Punjab India

کتب خانہ احرار

140 شاہ پور روڑ، فیلڈ گنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ پنجاب (انڈیا)

Contact No. 01612722282-9815590100

Email: ahrarindia@gmail.com

انتساب

مضامین رئیس الاحرارؒ کو مرتب کر کے شائع کرنے کے لیے مجھے میری اہلیہ نے مشورہ دیا اور اس نیک اور اہم کام کی طرف توجہ دلائی ہے، میری اہلیہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب لدھیانوی مدظلہ کی چہیتی بیٹی ہیں؛ کیونکہ اس کتاب کی ترتیب و اشاعت میں ان کا بڑا حصہ ہے، اس لئے میں مضامین کے اس علمی مجموعے کو اپنی اہلیہ ''زاہدہ رحمانی'' سے منسوب کرتا ہوں۔

محمد احمد رحمانی لدھیانوی
فاضل دیوبند

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ نمبر
	انتساب	۳
	فہرست مضامین	۴
	پیش لفظ	۷
۲	حقوق طبع اور مضامین رئیس الاحرار	۱۰
۳	تعارف	۱۲
۴	مختصر سوانح اور خاندانی حالات	۱۳
۵	افراد	۴۶
۶	ڈائری کے اوراق	۴۸
۷	رئیس الاحرارؒ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ازمولانا عبدالباقیؒ	۶۶
۸	جامع مسجد لدھیانہ	۷۱
۹	علم خضری	۷۴
۱۰	تاریخ کے ہر دور میں ۔ ازقلم مولانا عزیزالرحمٰن لدھیانوی	۷۶
۱۱	تاریخ وفات رئیس الاحرار	۸۱
۱۲	☆ مضامین ازقلم رئیس الاحرار قدسرہ ☆	۸۳
۱۳	معارف القرآن رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم	۸۴

۱۴	نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی اسلام ہے	۸۸
۱۵	اسلام	۹۲
۱۶	حکومت کا مذہب	۹۳
۱۷	حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر	۹۹
۱۸	مذاہب عالم اور اسلام	۱۰۷
۱۹	مشترکہ سول کوڈ اور قانون اسلام	۱۱۲
۲۰	تعدد ازدواج	۱۱۳
۲۱	حضرت زینبؓ کے دونوں نکاحوں کا پس منظر	۱۱۷
۲۲	عیدالفطر	۱۲۳
۲۳	مسلمان مکی زندگی سے سبق لیں	۱۲۶
۲۴	تحریک تحفظ ختم نبوتؐ اور رئیس الاحرارؒ	۱۲۸
۲۵	رئیس الاحرار کی استیصال مرزائیت کے لئے علماء اسلام سے اپیل	۱۳۰
۲۶	شیر خدا کا ایمان	۱۳۹
۲۷	عقیدۂ ختم نبوت (رئیس الاحرار اور جواہر لال نہرو)	۱۴۰
۲۸	شخصیات از قلم رئیس الاحرار	۱۴۳
۲۹	حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ	۱۴۴
۳۰	مولانا حسرت موہانیؒ	۱۴۷
۳۱	آخری ملاقات	۱۵۰

۳۲	مولانا عبیداللہ سندھی	۱۵۲
۳۳	مطالعہ اسلام اور قبول اسلام	۱۵۳
۳۴	سیاسی تحریک کی ابتدا	۱۵۵
۳۵	زمانے کے انداز بدل گئے	۱۵٦
۳٦	مولانا محمد علی جوہر	۱۵۹
۳۷	جمعیۃ علماء ہند کے بانی اور اس کے معمار اوّل	۱٦۵
۳۸	امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ	۱۷۰
۳۹	شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی	۱۷۹
۴۰	مجاہدین حریت کی ایک عظیم الشان تحریک دارالعلوم دیوبند	۱۸۲
۴۱	نذر عقیدت	۱۸۴
۴۲	رئیس الاحرارؒ کے دوساتھی (امر شریعت سید عطاءاللہ شاہ بخاری)	۱۸۵
۴۳	مولانا سید محمد داؤد غزنوی	۱۸۹
۴۴	ایک تاریخی واقعہ	۱۹۱
۴۵	تقسیم ہند کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت	۱۹۳
☆	☆☆☆	☆

پیش لفظ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ کا شمار تاریخ اسلام اور تحریک آزادی ہند کے ان قومی قائدین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنے قوت عمل سے قربانیوں سے لبریز ایک لا زوال تاریخ صفحۂ ہستی پر تحریر کردی، بآزادیٔ ہند کے ۷۵ سال گزر جانے کے بعد بھی آپ کا کردار مجلس احرار اسلام ہند کی شکل میں زندہ وجاوید ہے، آپ کی حق گوئی و بے باکی خاندان حبیب کا آج بھی نمایاں وصف ہے، ملک میں گزشتہ چند سالوں سے سیاسی حالات میں تیزی کے ساتھ آئی تبدیلی کے مدنظر جب بڑے بڑے خانوادے اور جبہ قبے والے قابل احترام حضرات مصلحت پسندی کی چادر اوڑھ کر ملت کی بے بسی کا تماشا دیکھ رہے ہیں ایسے حالات میں ''حبیبِ ثانی'' شیر اسلام مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی اپنے دادا کی روایات پر عمل پیرا ہوکر نہ صرف گرج رہے ہیں بلکہ اہل وطن کو فرقہ پرستی کے خلاف اخوت اور جرأت کا سبق بھی پڑھا رہے ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ کے ان علمی دینی اور سیاسی مضامین کو میرے دادا مفتی اعظم پنجاب حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی نے ۱۹۶۹ء میں مرتب کر کے لدھیانہ سے شائع فرمایا تھا جو کہ اس وقت ملک کے تمام علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئے تھے، نیز یہ مضامین حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی کی ادارت میں جاری رہے ہفت روزہ اخبار ''الحبیب'' لدھیانہ میں شائع ہوتے رہے لیکن گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ یہ علمی سرمایہ نظروں سے اوجھل ہوگیا ۲۰۱۳ء میں جب علمائے لدھیانہ سے متعلق میں نے اپنی پہلی تحقیقی کتاب ''قافلہ علم وحریت'' شائع کی تو اس

دوران علماء لدھیانہ اور بل خصوص رئیس الاحرار مرحوم کے متعلق تمام تاریخی کتابیں اور رسائل کمپیوٹر میں بھی محفوظ کر لئے اس دوران متعدد مرتبہ ان میں سے کچھ مضامین پندرہ روزہ ''الاحرار'' اردو ہندی لدھیانہ میں شائع کرتا رہالیکن اس دوران کتاب ''مضامین رئیس الاحرار'' کا صرف ایک قدیم نسخہ ہی میرے پاس رہ گیا جو کہ خستہ ہونے کی وجہ سے اپنے آخری دوتین صفحات سے محروم ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آخری مضمون مکمل محفوظ نہ ہوسکا تھا لیکن ان ہی دنوں دارالعلوم دیو بند میں پنجاب کے طلبہ کی انجمن ''بزم حبیب'' کی لائبریری سے یہ کتاب مل گئی اور آخری صفحات بھی محفوظ کر لئے گئے ،جس کے بعد تیز گام چل رہی زندگی میں دینی اور سیاسی وسماجی مصروفیات کی وجہ سے مضامین رئیس الاحرارؒ کی جانب توجہ نہیں گئی کہ ابھی کچھ دن قبل دسمبر ۲۰۲۰ء میں ایک دن لاهور سے محترمہ ستارہ ماہ جبیں بنت جناب شبیر احمد صاحب لدھیانوی کا پیغام آیا کہ مضامین رئیس الاحرار کی پی ڈی ایف فائل بھیجیں دارصل محترمہ ستارہ ماہ جبین گزشتہ دوسال سے یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی پاکستان کی سیرت چیئر شعبۂ اسلامی فکر وتہذیب میں علماء لدھیانہ کی سیرت نگاری اور علمی فکری کاوشوں پر تحقیق کر رہی ہیں ،ان کو پی ڈی ایف فائل بھیجنے کے بعد ایک بار پھر ''مضامین رئیس الاحرار'' کا مطالعہ شروع کیا جیسے جیسے مضامین پڑھتا گیا تو موجودہ حالات کے متعلق رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہ کی باتیں پڑھ کر دل ودماغ روشن ہوتے چلے گئے اور یہ محسوس ہوا کہ اس کتاب کی اول اشاعت کے ۵۴ سال بعد ایک مرتبہ پھر سے ان تاریخی مضامین کو شائع کیا جائے۔

مضامین رئیس الاحرار کے مرتب میرے دادا مرحوم حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی مرحوم ہیں اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کے وقت میں نے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہ کے مزید مضامین شامل اشاعت کر لئے ہیں جو کہ مجھے اپنی تحقیق کے دوران مختلف کتابوں سے حاصل ہوئے تھے ، نیز اس کتاب کو ازسرِ نو ترتیب دیا گیا ہے تاکہ باقی رہ گئے مضامین بھی محفوظ ہو جائیں ، اس دوران مشہود مفتی

لدھیانوی کی معرفت رئیس الاحرار مرحوم کے قلم سے تحریر کیا گیا ایک اہم مکتوب بھی حاصل ہوا جسے شامل اشاعت کرلیا گیا، ماشاء اللہ بھائی مشہود مفتی مقیم لندن گزشتہ کئی سالوں سے مسلسل علماء لدھیانہ کی تاریخ اور علمی سرمایہ یکجا کرنے کیلئے تحقیقی کام کررہے ہیں۔

قابل ذکر ہے کہ میرے والد محترم شیر اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی مدظلہ اپنے دادا رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ کے ہم نام ہیں، والد محترم نے ہی مجھے حکم دیا کہ یہ کتاب مزید اضافہ جات کے ساتھ منظر عام پر لائی جائے، اس تاریخی کتاب کو ایک بار پھر سے قوم کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطا کرنے کے لئے میں اللہ تعالیٰ کا پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ طفیل شکر گزار ہوں اور دعا گو ہوں کہ میری یہ کاوش نسل نو کے لئے مفید ثابت ہو۔ آمین

محمد عثمان رحمانی لدھیانوی
حبیب منزل، متصل مسجد احرار، براؤن روڈ لدھیانہ
۴ جمادی الاخری ۱۴۴۲ھ مطابق ۱۸ جنوری ۲۰۲۱ء

حقوق طبع اور مضامین رئیس الاحرار

میں نے مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ سے سنا ہے، کہ مسلم علماء نے کبھی نہ تو علم کو فروخت کیا اور نہ ہی علم کو معیشت کے لئے حاصل کیا، وہ اس قسم کی خرید وفروخت کو گوارہ نہیں کرتے تھے، اس لئے مضامین رئیس الاحرار کے شائع کرنے پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں، کوئی بھی شخص ان کے علمی مضامین کو شائع کرسکتا ہے یہ ان کا علمی فیضان ہے، جس پر پابندی نہیں لگائی جاسکتی۔

محمد احمد رحمانی لدھیانوی

بحیثیت مسلمان ہم اس ملک میں رہتے ہیں ہماری مساجد، مقابر ملک بھر میں موجود ہیں، ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب نے سینکڑوں برس اس ملک پر حکمرانی کی ہے، ہم یہیں پیدا ہوئے ہیں اور اسی ملک میں مریں گے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

File F:\{Degsin se Mutalliq}\Bordar First Page\Lidj8bd8T.gif not found.

تعارف

جس کے ایثار سے ملت کی دو بالا ہوئی شان
اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر سوانح اور خاندانی حالات

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، امابعد!

مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ پاک و ہند کے ان مشہور مذہبی اور سیاسی رہنماؤں میں سے ایک ہیں، جن کے نام انگلیوں پر گنے جاتے ہیں، آپ نے لدھیانہ کے مشہور علماء ومجاہدین کے گھرانے میں آنکھ کھولی، آپ کی ولادت ۱۱؍صفر المظفر ۱۳۱۰ء مطابق ۳؍جولائی ۱۸۹۲ء اتوار کے روز صبح کے وقت ہوئی، گھر کا ماحول علمی مذہبی اخلاقی اور انقلابی تھا، اورآپ کے دادا قطب عالم حضرت مولانا شاہ محمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ اس وقت کے مشہور عالم فقیہ محدث اورمجاہدین آزادی کے قائدین میں سے تھے، آپ کی ابتدائی تعلیم اورروحانی تربیت آپ کے داداہی نے فرمائی، اس کالازمی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ صاف دماغ اورروشن فکر کے ساتھ میدان عمل میں اترے، اورانگریزی سامراج کے خلاف جنگ آزادی میں شریک ہوگئے، ملک بھرمیں آپ کی قیادت کوتھوڑی ہی مدت میں تسلیم کرلیا گیا، اورمجاہدین کی بڑی جماعت آپ کی زیرقیادت عزم ویقین ہمت وجرأت کے ساتھ ملک کی آزادی کے راستے پرگامزن ہوئی۔

بڑے بڑے اولوالعزم اوراصحاب بصیرت لیڈروں کے قدم کئی ایک بارتحریک آزادی کے مصائب اورمشکلات کودیکھ کرڈگمگا گئے، لیکن اس مردمجاہد کے پائے ثبات میں کبھی لغزش نہ آئی۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ قوت عمل کے قائل تھے، ان کے ہاں منصوبوں اور پلانوں کی حیثیت دوسرے درجے کی تھی، انہوں نے صرف گفتار سے ہی کام نہیں لیا؛ بلکہ اپنے کرداراورقربانیوں سے پوری قوم کوعملی زندگی کا راستہ دکھایا، ان کی عملی زندگی ہرزمانہ میں ملک وقوم کے لئے مشعل راہ کا کام دے گی۔

اپنے دادا صاحب کے انتقال کے بعد آپ کئی برس تک امرتسر حضرت مولانا نور احمد صاحب کی خدمت میں بغرض تعلیم قیام پذیر رہے، اوران سے قرآن وحدیث کو سبقاً سبقاً پڑھا، آپ امرتسر سے ایشیاء کی مشہور عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند میں تکمیل تعلیم کے لیے تشریف لے آئے، اور تقریباً سات سال تک دارالعلوم میں تعلیم حاصل فرماتے رہے، حضرت شیخ الہند اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا گہرا تعلق تھا، ان کے حلقوں میں آپ شریک رہے، اور علمی مذہبی سیاسی بصیرت حاصل کی، آپ کا شمار ملک کے مشہور علماء اور دارالعلوم کے مایہ ناز فرزندوں میں کیا جاتا ہے۔

والدماجد: آپ کے والد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ملک کے جید اور مشہور علماء میں سے ایک تھے، ان کی ذہانت علمیت حافظہ تقویٰ وطہارت اور فہم کی شہرت تھی، حافظہ کا یہ عالم تھا کہ صرف تین ماہ میں قرآن عزیز کو حفظ فرمالیا، اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو ایک رکعت میں بلا کسی غلطی اور متشابہ کے سناڈالا۔

پنجاب کے اکثر وبیشتر علماء مشکل مسائل فہم حدیث اور فہم قرآن عزیز کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر آپ سے علمی فیض حاصل کرتے، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی علمیت ذہانت حافظہ اور تفقہ فی الدین کے معترف اور قائل تھے حضرت شاہ صاحب نے آپ کے علم وفضل سے متاثر ہوکر کئی ایک بار آپ سے فرمایا کہ مولانا اگر آپ درس وتدریس کے لیے بیٹھ جاتے تو علماء کی جماعت کو آپ کی علمی تحقیقات اور مذہبی شخصیت سے فیضان ہوتا، اور وہ مقام ایک دارالعلوم بن جاتا، دونوں بزرگوں میں بہت زیادہ تعلق اور محبت تھی، حضرت شاہ صاحب ان کی کسی بات کو رد نہیں فرماتے تھے اور ایک جید عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ کی طرح آپ کی عزت فرماتے۔

جدامجد: آپ کے علمی مذہبی اور انقلابی خاندان کی علمی مذہبی شہرت آپ کے جدامجد امام العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ کے مجاہدانہ کارناموں سے شروع ہوئی، وہ اپنے زمانے کے ممتاز عالم، مجاہد وصاحب ارشادوسالکین میں سے

تھے، انہوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی، اور روحانی تربیت بھی اسی خاندان سے پائی صرف ایک واسطے سے آپ مشہور مترجم قرآن، حضرت شاہ عبدالقادر صاحب دہلوی کے خلیفہ اور مجاز تھے۔

اس طرح لدھیانہ کا یہ علمی خاندان ولی اللّٰہی خاندان کی ایک علمی شاخ بھی ہے، اور ان کے سینوں میں آج بھی ولی اللّٰہی علوم اور ولی اللّٰہی جذبات کی امانت موجود ہے۔

رئیس الاحرار کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ پنجاب میں تنہا بزرگ تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریز سامراج کے خلاف لدھیانہ میں فتویٰ دیا، اور انگریز حکمرانوں سے باقاعدہ جنگ کر کے لدھیانہ شہر میں متوازی گورنمنٹ قائم کی، اور تحریک آزادی میں اپنے خاندان اور چاروں لائق فرزندوں کے ساتھ حصہ لیا، پنجاب کی تمام انقلابی فوجیں آپ کے زیر کمان تھیں آپ کے بڑے فرزند حضرت مولانا سیف الرحمٰن مرحوم نے لدھیانہ جیل توڑ کر سیاسی قیدیوں کو رہائی دلائی، اور آپ کے حکم سے شہر پر قومی پرچم لہرا دیا گیا، پنجاب کی افواج اور مجاہدین کو لے کر آپ دہلی تشریف لے گئے، اور دہلی کے مجاہدین و قومی افواج کے ساتھ شامل ہو کر آپ نے برطانوی سامراج کے خلاف لڑائی میں حصہ لیا۔

قومی افواج کی شکست اور بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری کے بعد موضع ستلانہ ریاست پٹیالہ کے جنگلوں میں کئی برس تک روپوش رہے؛ کیونکہ آپ اور آپ کے خاندان کے ہر فرد کو گرفتار کرنے کے لئے بھاری انعامات رکھے گئے تھے۔

ستلانہ کے باشندوں نے اس مرد مجاہد کی اس طرح حفاظت کی کہ زبردست تلاش کے باوجود انگریزی پولیس اور فوج آپ کا پتہ نہ لگا سکی۔

آپ کی ذات مقدسہ مرجع خلائق تھی، امیر و غریب شاہ و گدا عقیدت مندوں اور حلقہ اثر میں شامل تھے۔

احمد شاہ ابدالی کے پوتے شاہ شجاع الملک اور شاہ زمان انگریزی سیاست کا شکار ہو کر

لدھیانہ آئے اور خاندان سمیت ان کو نظر بند کر دیا گیا، تو ان دونوں بھائیوں نے حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت کی، اور کئی روز تک خانقاہ میں رہے، حضرت کے ہاں سے جو کچھ کھانے کے لئے ملا، افغانستان کا حکمران اسے خوشی اور عقیدت سے کھاتا رہا۔

شاہ زماں آپ کی مسجد میں پانچ وقت نماز پڑھنے آتا رہا، اور چالیس روز تک حضرت کے حکم سے مسجد میں اذان دی، شاہ زماں کے لئے شاہی خدمت گزاروں نے قالین بچھادی، تو حضرت شاہ صاحب نے شاہ زماں سے مخاطب ہو کر فرمایا، یہاں فقیر اور بادشاہ میں کوئی امتیاز نہیں، شاہ زماں پر آپ کے ارشاد کا اثر ہوا، تو وہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھنے لگا اور آپ کے درس قرآن وحدیث میں شریک ہوتا۔

اس شاہی خاندان میں سے حضرت شاہ صاحب نے تمام غیر اسلامی رسوم کو اپنے فیض روحانی سے بند کرا دیا، اور پورے خاندان کو دین کی طرف متوجہ کیا۔

والیٔ افغانستان: امیر دوست محمد خاں کو ۱۸۴۰ء میں انگریزی افواج نے گرفتار کیا، اور شاہ شجاع نے تخت کابل پر دوبارہ قبضہ کر لیا، افغانستان کے اس حکمران کو بھی لدھیانہ میں نظر بند کیا گیا، امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو جب معلوم ہوا، تو آپ نے اپنے معتقدین کو بلا کر اس بادشاہ کی خدمت کا حکم فرمایا۔

امیر دوست محمد خاں شاہ صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور اپنے مصائب اور تکالیف کو بیان کر کے بے اختیار رونے لگا، آپ نے اسے تسلی دی اور فرمایا کہ شاہ شجاع زیادہ دن حکومت نہ کر سکے گا، اور قتل کر دیا جائے گا اور تم دوبارہ افغانستان کے بادشاہ بنو گے، امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر قدس سرہٗ کا یہ کشف صریح سن کر امیر دوست محمد کو تسکین تو ہوئی، مگر یقین نہ آیا، لدھیانہ سے حکومت نے والیٔ افغانستان کو کلکتہ لے جا کر نظر بند کر دیا۔

پورے ایک برس بعد امیر دوست محمد خاں کے لڑکے اکبر خان نے انگریزی افواج کو شکست دی اور شاہ شجاع کو قتل کر دیا، اور برطانوی حکومت اس انقلاب کے بعد امیر دوست محمد خاں کو افغانستان کا فرماں روا تسلیم کرنے پر مجبور ہو گئی۔

افغانستان کو واپس جاتے ہوئے امیر دوست محمد خان ایک سال پہلے جو قیدی تھا، ایک ملک کے حکمران کی حیثیت سے امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی درخواست کرر ہا تھا، آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کے بعد اس نے عرض کیا، کہ آپ میرے ساتھ افغانستان تشریف لے چلیں امام العارفین حضرت شاہ عبدالقادر صاحب قدس سرہٗ نے اس کی درخواست نہ مانی، اور انکار کر دیا، نیز امیر دوست محمد خاں کو مخاطب کر کے فرمایا:

''فقیر اور بادشاہ کے درمیان کوئی رشتہ قائم نہیں رہ سکتا، تیرے ساتھ جانے سے دنیا کا بے شک فائدہ ہے؛ لیکن دین کا سراسر نقصان، تم خلافِ شرع حکم کروگے، اور میں اس امر سے روکوں گا جس سے تم آزردہ ہوگے، اور اگر نہ روکا، تمہارا لحاظ کیا تو میں گنہگار رہوں گا''۔

حضرت شاہ صاحب مسائل شرعیہ کے بیان کرنے میں امیر وغریب کو برابر خیال کرتے اور دین کے بارے میں کسی کی بھی رعایت نہ فرماتے تھے، آپ کے فیض روحانی سے لاکھوں انسانوں کو راہ ہدایت ملی، اور دین کو فروغ ہوا۔

امام العارفین حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب کے چار لائق فرزند تھے جن پر اپنے والد کا علمی اور روحانی رنگ پوری طرح چڑھا ہوا تھا اور اپنے عہد کے مجاہدین آزادی مشاہیر اساتذہ علم اصحاب طریقت وملوک میں سے تھے، انہوں نے اپنے والد بزرگوار کی وراثت میں علم حق گوئی بہادری، ذہانت فکر وتدبر اور خودداری کو پایا تھا، تاریخ کی کتابوں میں ان حضرات کے علمی سیاسی اور مذہبی کارنامے نمایاں نظر آتے ہیں، ان کے اسمائے گرامی اس طرح ہیں:

(۱) حضرت مولانا شاہ سیف الرحمٰن صاحب بڑے صاحبزادے ہیں، انہوں نے ۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت سے ٹکر لی اور لدھیانہ کی جیل توڑ کر مجاہدین کو قید سے رہا کرایا، شہر میں قومی پرچم لہرا کر متوازی حکومت قائم کر دی قومی حکومت کی شکست کے بعد آپ دہلی سے کابل ہجرت کر گئے۔

(۲) امام العصر حضرت شاہ محمد صاحب قدس سرہٗ دوسرے فرزند ہیں، آزادیٔ وطن کے لئے آپ جنگ میں شریک رہے، شکست کے بعد تحریک آزادی کو منظّم طریقے سے چلانے کے لئے بہار کے دارالحکومت پٹنہ میں قیام فرما کر بہار، یوپی اور پنجاب کے مجاہدین کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا۔

انڈین نیشنل کانگریس: ۱۸۸۸ء میں انڈین نیشنل کانگریس کی مخالفت ہورہی تھی اور مذہب کے نام پر ہندو مسلمانوں کو اس مشترک جماعت کے خلاف ابھارا جارہا تھا اور اس کے خلاف فتوے شائع کئے گئے تھے، آپ نے اس وقت انڈین نیشنل کانگرس میں شرکت کی حمایت کی، اور فتویٰ دیا، اس فتویٰ کے بارے میں عجیب بات یہ ہے کہ فتوی لینے کے لئے ایک شخص مسمیٰ علی محمد متوطن بمبئ کانگرس کی طرف سے ملک کے مختلف شہروں اور مذہبی مراکز میں گیا، لیکن پورے ملک میں اس مسئلہ پر فتویٰ نہ مل سکا، کیونکہ انگریزی حکومت کے مظالم سے اونچے درجے کے علماء بھی خوفزدہ تھے اس وقت کانگرس کی حمایت اور انگریزی حکومت کی مخالفت اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف تھی؛ لیکن یہ مسئلہ جب رئیس الاحرار کے دادا حضرت شاہ محمد صاحب کی خدمت میں پیش ہوا تو انہوں نے پوری جرأت اور بہادری اور علمی دلائل کے ساتھ اس مسئلہ پر فتویٰ دیا، اور اس کو نصرۃ الابرار کے نام سے شائع کرکے پورے ملک میں تقسیم کیا گیا، جس کا مسلم برادریوں اور خاندانوں نے اثر قبول کیا، کانگرس کو تقویت ملی، انگریزی سامراج کو اس فتوے سے پورے ملک میں سخت نقصان ہوا، بعد میں اس فتویٰ کی تصدیق ملک کے ہر حصے اور دینی مرکز سے ہونے لگی؛ چنانچہ معتبر ومستند علماء نے اس اہم فتویٰ کی تصدیق کی، یہ فتویٰ کانگرس کی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتا ہے، اور ملک کے مایہ ناز مؤرخین نے اس کو اپنی کتابوں میں جلی عنوان سے درج کیا ہے۔

جمہوریہ ہند کے پہلے صدر ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی کتاب ''ہندوستان کا مستقبل'' اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحبؒ نے اپنی کتاب ''نقش حیات'' کے صفحہ ۷۱ر پر اس فتویٰ کو خاص اہمیت دی ہے، اور اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔

مشہور مؤرخ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب سابق ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے اپنی کتاب علماء حق کے صفحہ ۱۰۲؍ پر پوری تفصیل سے اسے ذکر کیا ہے۔

مرزا غلام قادیانی ہندوستان کے مذہبی اسٹیج پر ایک مبلغ اسلام اور مناظر دین کی نقاب اوڑھ کر ۱۳۰۱ھ ہجری میں نمودار ہوا تو سب سے پہلے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد صاحب اور ان کے دونوں بھائیوں مولانا عبداللہ صاحب و حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے مرزا کے صحیح خدوخال کو پہچانا، اور اس کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر تکفیر کا فتوی دیا، اس وقت اکثر علماء نے اس کی تکفیر کو تسلیم نہ کیا؛ لیکن بعد میں پورے ملک کے علماء کو علماء لدھیانہ کے اس فتویٰ کو ماننا پڑا، اور تصدیق کرنی پڑی، اس طرح عالم اسلام کے مسلمانوں کی علماء لدھیانہ نے ہر نازک مقام پر رہنمائی کی، اور حق کے متلاشی کو ان ہی کے حلقوں میں صراطِ مستقیم ملی۔

حضرت شاہ محمد صاحب نے بہت ساری کتابیں اور رسالے فرقہ ہائے باطلہ کی تردید میں لکھے اور شائع کئے جن کی تعداد پچیس تیس کے قریب ہے، ان کی مشہور کتابیں فتاویٰ قادریہ، نصرۃ الابرار، تنبیہ الغافلین، تقدیس الرحمٰن عن الکذب والنقصان، انتظام المساجد دلیل القویٰ وغیرہ ہیں۔

آپ کے تیسرے فرزند حضرت مولانا شاہ محمد عبداللہ صاحب قدس سرہٗ والد ماجد حضرت مولانا مفتی نعیم صاحب مدظلہٗ ہیں، آپ کی ہمت مردانہ سے فرقہ ہائے باطلہ خصوصاً نیچری اور قادیانی ازحد خوف زدہ تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ میں آپ نے حصہ لیا، بڑے درجہ کے عالم اور فقیہ تھے اونچے درجے کے اولیاء میں سے تھے، ہزاروں لوگ آپ سے بیعت تھے، آپ کا انتقال سہارنپور میں ہوا، وہیں مزار شریف ہے۔

آپ کے چوتھے صاحبزادے حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب قدس سرہٗ ہیں، آپ بڑے پایہ کے خطیب اور واعظ تھے، مسائل دینیہ کے بیان کرنے میں اپنے والد بزرگوار کی

طرح کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے، لاکھوں کی تعداد میں لوگ آپ سے بیعت تھے، رشد وہدایت کا سلسلہ آپ کی خانقاہ میں جاری تھا، ۶۳ رسال کی عمر پائی، چالیس برس میں قرآن عزیز کا ترجمہ بیان فرمایا، ان کی چھوٹی صاحبزادی مسماۃ شفاعت بی بی کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کا نکاح ہوا، رئیس الاحرار کو آزادی ہند کی تحریک میں جن مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، ان میں رئیس الاحرار کی اہلیہ نے ان کا پورا ساتھ دیا اور کبھی ان کی پیشانی پر بل نہ آیا، رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد آنے والے کسی لیڈر یا ورکر کو ان کی عدم موجودگی محسوس نہ ہونے دی کیونکہ وہ ایک بڑے باپ کی بیٹی تھیں، اور ان کی رگوں میں وہ خون تھا جس نے ایک زمانے تک ملک کی بھلائی اور آزادی کے لئے قربانیاں دی تھیں۔

مسٹر ساورکر، پنڈت سندر لال، خورشید مصطفےٰ صاحب رضوی، مسٹر خلیق نظامی، مولانا غلام رسول مہر، مولانا سید محمد میاں صاحب نے اپنی تاریخی تصانیف میں علماء لدھیانہ کی ان تمام انقلابی مذہبی علمی خدمات کا اعتراف کیا ہے، مولانا عزیز الرحمٰن جامعی نے کتاب ''رئیس الاحرار'' میں تفصیل کے ساتھ ان واقعات پر روشنی ڈالی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کا خاندان ملک کا ممتاز علمی مذہبی سیاسی اور مجاہدین کا ایک مشہور خاندان ہے، اس خاندان کا اثر ورسوخ ملک گیر رہا ہے، ملک بھر میں اس علمی گھرانے کو عزت وقعت اور مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا گیا، اور ان کے کلمات ہدایت کو دل کے کانوں سے سنا گیا، یہ اثر پبلک سے گزر کر درباروں تک بھی پہنچا، اور سلاطین وقت نے بھی اس خاندان کے بزرگوں کے سامنے سر عقیدت خم کیا۔

اس خاندان کے بزرگوں نے ہر زمانے میں وقت کی نبض کو پہچانا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق زبردست خدمات انجام دیں، ناسازگار حالات میں بھی ثابت قدمی سے عقیدے اور خیال پر قائم رہے اور الحمدللہ خاندان کے اخلاف نے اسلاف کے نقش قدم کو نہیں چھوڑا، اور اس کے افراد آج بھی ملکی ملی خدمات میں پوری لگن اور اخلاص کے ساتھ مصروف کار ہیں۔

قیادت: ملک میں جب سیاسی بیداری کی روشنی پھیلی، مختلف فرقوں وجماعتوں نے

برطانوی سامراج کے خلاف اعلیٰ پیمانے پر منصوبے بنائے اور منظّم طریقے سے تحریکیں چلائیں۔اس وقت مجاہدین آزادی کی قیادت جن بہادر اور جری رہنماؤں نے کی، رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا نام ان میں سرفہرست ہے، آپ موجودہ دور کی ان عظیم شخصیتوں میں سے ایک تھے جن سے جدو جہد آزادی کی نمایاں اور شاندار روایات وابستہ ہیں، سحر بیاں مقرر تھے، آپ کی تقاریر سے مخالف صفوں میں انتشار پھیل جاتا، چھوٹے چھوٹے فقروں میں گہرائی کی باتیں فرماتے، جو بولتے ناپ تول کر بولتے شرعی احکامات کو واضح طور پر بیان فرماتے۔

آپ کی عظیم شخصیت کے علم وفہم فکر وعمل سے متاثر ہو کر مولانا محمد علی جوہرؔ نے فرمایا کہ

> ''مولانا حبیب الرحمٰن کو دیکھ کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ یاد آجاتے ہیں، آپ کی شخصیت خلوص ایثار جرأت شجاعت اور حق گوئی وبے باکی کی ایک جیتی جاگتی تصویر تھی۔''

آپ مجسمۂ اخلاق تھے جو پاس آیا، ان کا ہو کر رہ گیا، قرآن اور حدیث پر آپ کو عبور حاصل تھا، اسلام اور اس کی تعلیمات کو بیان کرنا آپ ہی کا حصہ تھا، آپ کی تبلیغ کیریکٹر اور اخلاق سے متاثر ہو کر بہت سے اللہ کے بندے مشرف بہ اسلام ہوئے، اور سینکڑوں گمراہ انسانوں نے آپ کی صحبت اٹھا کر راہ ہدایت پائی، امت مسلمہ کو جس قدر فیض آپ کی ذات سے پہنچا کسی دوسرے کو یہ بات نصیب نہ ہوئی۔

ملک کے مسلمہ لیڈر تھے، علماء اور سیاست دانوں میں آپ کو عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا اور آپ کی رائے کو قابل عمل سمجھا جاتا۔

رفقاء اور ساتھیوں کے وفادار، اور اسی وفاداری کے نتیجے میں بہت سارے نقصانات اٹھائے ؛لیکن دوستوں اور رفیقوں کا ساتھ نہ چھوڑا اپنے لئے اگر الگ راہ پیدا کرتے اور کر سکتے تھے تو مذہبی اور سیاسی میدان میں بہت آگے نکل جاتے، دوست اور رفیق ان کی تیز رفتاری کا ساتھ نہ دے سکتے ،لیکن رفقاء کے ساتھ چلنا، کچھ ان کی ماننا، اور کچھ اپنی منوانا، انہیں

اپنے خیالوں کے سانچے میں ڈھالنا اور اس طرح پر صحیح ملی جلی راہ پیدا کرنا آپ ہی کا کام تھا۔

مجلس احرار اسلام کی صدارت: برسوں مجلس احرار اسلام ہند کے صدر رہے، جو ملک میں مقبول ترین جماعت تھی، آپ کی رہنمائی میں مجلس احرار اسلام کے کارکن جرأت اور بہادری کے ساتھ ملکی اور ملی فتنوں کے مقابلے میں سینہ سپر اور سر بکف رہے، ملک وملت کے لئے جس قدر قربانیاں احرار نے پیش کیں تاریخ کے اوراق ان سے بھرپور ہیں۔

تحریک احرار میں ہر ایک مکتب خیال کے رہنماؤں کا اجتماع اور اس تحریک میں دین وسیاست کا امتزاج عوام سے تعلق، احرار کے رہنماؤں کا جذبۂ حریت اور جہاد اور انگریز دشمنی، احرار کارکنوں ورہنماؤں کی جرأت وہمت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی قیادت اور رہنمائی کا نتیجہ تھے۔

ملک کی آزادی میں احرار کا بڑا حصہ ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ انگریز تحریک احرار کے خوف سے ملک چھوڑ گیا، تو شاید غلط نہ ہوگا، افسوس ہے کہ احرار کی صحیح تاریخ اب تک کسی صاحب نے مرتب نہ کی، جس کی اشد ضرورت ہے، تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے مجاہدین احرار کے عظیم کارنامے مشعل راہ ہوں۔

۱۹۴۰ء کی نظر بندی کے بعد احرار کو مولانا حبیب الرحمٰن کی رہنمائی حاصل نہ رہی، اور جماعت کا شیرازہ بکھر گیا، مجاہدین کی اس جماعت میں کچھ ایسے لوگ شامل ہوئے جنہوں نے جماعت کے کام کو نقصان پہنچایا اور اپنی اغراض کے حصول کے لئے جماعت کے وقار، کارکردگی اور تنظیم کو دفن کر دیا، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی طویل نظر بندی اور عظیم احرار چودھری افضل حق کی وفات سے احرار اپنے مقاصد عظیمہ میں کامیاب نہ ہو سکے، جس سے اسلام ملک اور قوم کو زبردست نقصان ہوا، اور مجاہدین احرار بیش بہا قربانیوں کے باوجود کوئی مقام حاصل نہ کر سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

میدان عمل: ۱۹۱۴ء میں بلقان جنگ ہوئی، ترکوں پر انگریزی سامراج ہندوستانی افواج لے کر مظالم ڈھا رہا تھا، یہ خبر سن پڑھ کر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن خاموش نہ رہ

سکے، ان کے دل ودماغ میں برطانوی حکومت کے خلاف نفرت بغاوت اور انقلاب برپا کرنے کے جذبات بھڑک گئے، اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انگریزی تسلط پوری طرح ملک پر قائم ہو چکا تھا، کسی میں جرأت نہ تھی کہ انگریزی سامراج کے خلاف علم جہاد بلند کرے، ایسے حالات میں رئیس الاحرار میدان میں اترے اور شہر کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کیا، برطانوی حکومت کے خلاف مدلل اور جذبات انگیز تقریر فرمائی، آپ کی تقریر سے انگریزی سامراج کے خلاف عوام کے جذبات بھڑک گئے اور پورے شہر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔

انگریز دشمنی کا یہ جذبہ آپ کو ورثے میں ملا تھا، صفحۂ ہستی پر مغربی عیسائی لٹیروں کو آپ اسلام اور مسلمانوں کا حقیقی دشمن تصور فرماتے تھے۔ ہندوستان، مشرق وسطیٰ، افریقہ اور ایشیاء میں جو حالات پیدا ہوئے، ان سازشوں اور تباہیوں کی ذمہ دار آپ کے نزدیک یورپین اقوام تھیں اور یہ واقعہ ہے کہ ہمیشہ مغربی اقوام نے ایشیاء...... مغربی وسطیٰ اور افریقی ممالک کو لوٹا، اور خاص طور پر مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا، موجودہ اسرائیل اور عرب ممالک کی جنگ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے اس خیال کی تائید کر دی ہے، مشرق وسطیٰ ہی نہیں، بلکہ اسرائیل کی جنگجو کاروائی سے جس کی پشت پناہی پوری یورپین اقوام کر رہی ہیں ایشیاء کی موجودہ آزادی ایک بار پھر خطرہ میں پڑ گئی ہے۔

۱۸۵۷ء کی جدوجہد آزادی کے بعد انگریزی سامراج کے خلاف یہ پہلا جلسہ تھا جس میں کھل کر برطانوی حکومت کے خلاف رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے عوام کو برانگیختہ کیا، اور نوجوانوں کی ایک تنظیم قائم کی، رئیس الاحرار کے والد حضرت مولانا زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کے ایک دوست آئے جو کہ جلسے میں شریک تھے، انہوں نے کہا کہ آپ کے صاحبزادے ''حبیب الرحمٰن'' پر دادا اور پر دادا کا رنگ چڑھ گیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسے شوق شہادت سوار ہے، صاحبزادے کی جرأت بے خوفی بے باکی اور بہادری کا نتیجہ پھانسی سے کم نہ ہوگا، اس لئے آپ انہیں روکئے حالات ایسے نہیں کہ اتنی تیزی سے حکومت برطانیہ کی مخالفت کی جاوے۔

اس واقعہ کے بعد آپ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی میں انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت اور انقلاب برپا کرنے والے مجاہدین کی انقلابی تنظیم کے ایک رکن بن گئے۔

قید وبند: ۱۹۲۱ء کی تحریک آزادی میں آپ کو پہلی مرتبہ گرفتار کرلیا گیا، اور پورے دوسال جیل خانہ میں بند رہنا پڑا، ۱۹۲۱ء سے ۱۹۴۷ء تک بارہا آپ کو انگریزی سامراج نے گرفتار کیا، ملک وملت کے لئے ہر محاذ پر آپ کو بطور قائد اور رہنما کے ملک گیر جماعتوں اور اصحاب رائے لوگوں نے مانا، تقریباً پندرہ برس جو آپ کی جوانی کا بہترین زمانہ تھا ملک قوم اور اسلام کے لیے آپ نے انگریزی سامراج کی قید میں گزار دیا، آخری مرتبہ دسمبر ۱۹۴۰ء میں آپ کو لاہور سے گرفتار کیا گیا، اور مئی ۱۹۴۵ء کو دیول کانفرنس کے موقعہ پر آپ کو بات چیت کے لئے غیر مشروط طور پر رہا کیا گیا۔

اگست ۱۹۴۷ء میں انگریز ملک کو دو ٹکڑے کر کے یہاں سے رخصت ہوا، تقسیم ملک کے بھیانک اعلان کے ساتھ ہی ہندوستانی اقوام آپس میں لڑنے جھگڑنے لگیں، اور حالات ایسے خراب ہوئے کہ مجاہد جلیل رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن جیسے قائد وطن پرور اور ملک کے بہی خواہ کو بھی اپنے وطن سے بے وطن ہونا پڑا، اور آپ تمام خاندان سمیت دہلی کے کوچہ رحمان میں رہائش اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔

ملک کے بگڑے ہوئے حالات میں بھی رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے جو ہندوستان کی خدمت کی، وہ کسی سے مخفی نہیں، دہلی کوچہ رحمان میں ان کا گھر ایک یونیورسٹی تھا، ایک مکتب خیال تھا، جہاں ہندو مسلمان سکھ شرنارتھی، کمیونسٹ، سوشلسٹ، کانگرسی ملحد ومومن سبھی آتے تھے، اور آپ کے نجھے دھلے افکار سے استفادہ کرتے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن ہندوستان کی عظیم شخصیت تھے کہ ان کے ماننے والے کمیونسٹوں میں بھی تھے، جن سنگھ، ہندو مہا سبھا میں بھی تھے، الجمعیۃ، نئی دنیا، پرتاپ اور ملاپ کے دفتروں میں بھی وہ بجائے خود ایک انجمن ودانش گاہ تھے، ان کی شخصیت کی نئے ہندوستان کو بہت ضرورت تھی، وہ بزرگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ ملک وملت کی خدمات

میں صرف کیا، ایسے لوگوں کا وجود ملت کا بہت ہی قیمتی سرمایہ تھا، جو مذہب اور دینداری کے ساتھ ملکی اور قومی ایثار وقربانی کی تاریخ بھی شاندار رکھتے ہوں۔

انتقال: ۲؍ستمبر ۱۹۵۶ء کی صبح کو تحریک آزادی کے یہ بے باک اور نڈر رہنما حرکت قلب بند ہونے سے اچانک انتقال فرما گئے اور اس طرح جنگ آزادی کا علمبردار میدان سیاست کا مرد جرار، اخلاق وخصائل کا پیکر حسین، مجلس علم وادب کا صدر نشیں ہم سے اچانک رخصت ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق اور اس کی ملاقات کے لئے بے چین تھا، وہ اونچے درجے کے اولیا اللہ میں سے ایک تھے، حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی نسبت اور خلافت انہیں حاصل تھی، اپنے انتقال سے ایک ماہ قبل دوست احباب لڑکے لڑکیوں کو جمع کیا اور جہان فانی سے رخصتی کی خبر دی، ہر قسم کے کام کاج سے کنارہ کشی اختیار فرمالی، دن رات اللہ کی یاد میں مشغول ہوئے ،اس زمانے میں بار ہا عشق الٰہی میں یہ شعر پڑھتے ہوئے آپ کو سنا گیا:

عشق ہمارے دھیان پڑا ہے، چین گیا آرام گیا
اب جی کا جانا ٹھہرا ہے، وہ صبح گیا کہ شام گیا

انتقال کے بعد آپ کے جسم پر موت کے اثرات نہ تھے، بلکہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سوتے ہوئے کوئی حسین خواب دیکھتے ہوں، ان کے اٹھ جانے سے ملک وملت کو نقصان ہوا، برصغیر پاک وہند کے تمام سیاسی اور مذہبی حلقوں میں غم واندوہ کی ایک لہر دوڑ گئی......اخبارات نے جلی عنوان اور سیاہ حاشیوں سے اس اندوہناک خبر کو شائع کیا اور آپ کی عظیم شخصیت پر مقالات لکھے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

تبصرے: مولانا عبدالرزاق صاحب ملیح آبادی نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے انتقال پر اپنے رنج وغم کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

’’مجاہد جلیل رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی جہاد آزادی کے جلیل القدر سپہ سالار تھے، مرحوم جوان تھے...... کہ جنگ آزادی کا بگل بجا، اور وہ مردانہ وار میدان کارزار میں کود پڑے، انتہائی مصائب نا قابل بیان تکالیف جھیلیں، لیکن چتون کبھی میلی نہ ہونے پائی، راہ حق میں بڑی بڑی منزلیں طے ہوگئیں، وہ منزلیں بھی طے ہوگئیں جن سے اولیا شہدا صدیقین انبیاء کو گزرنا پڑا تھا، موسیٰ کو طور پر ایک جلوہ نظر آیا تھا، یوسف کو قید خانہ میں تجلی ملی تھی، یعقوب کو آنسو میں ڈوبنا پڑا تھا، ایوب نے درد والم کی تلخیاں چکھی تھی، اللہ تعالیٰ کا کرم دیکھو...... کہ لدھیانہ کے ایک تخم وزار بندے کو راہ حق میں یہ سارے درجے مل گئے، عزم موسیٰ ملا، جزم یوسف ملا، نالۂ یعقوب ملا، اور صبر ایوب سے شادکام ہوا۔

حبیب الرحمٰن عزم مصمم کا ایک پہاڑ تھا، جو ڈھ گیا جرأت، ہمت کا آتش فشاں تھا، جو ٹھنڈا پڑ گیا، حق وصداقت کا ایک صور تھا، جو ہمیشہ کے لئے چپ کر دیا گیا، لیکن وہ کون ہے جو کہہ سکے ’’مولانا حبیب الرحمٰن مر گئے‘‘۔

حبیب الرحمٰن مرنے کے لئے پیدا ہی نہ ہوا تھا وہ تو جینے کے لئے پیدا ہوا تھا، رہتی دنیا تک جیتا رہے گا۔

حبیب الرحمٰن کا جسم تو بے شک لاغر تھا، مگر لاغر وناتواں جسم میں وہ روح تھی جو باطل قوتوں کے مقابلہ میں پہاڑ سے بڑھ کر اٹل اور باڑھ دار تلواروں سے زیادہ کاٹ والی، عجب اسلامی جوش تھا، حیرت انگیز اسلامی جذبہ تھا، راہ حق میں زبان سے شعلے برستے تھے اور خطابت اس پر نثار ہوتی تھی۔

جلیل القدر عظیم انسان ہونے پر بھی فروتنی، خاکساری کا مجسمہ تھا، ایسا شخص تھا کہ جو اپنے عظیم رتبہ سے بے خبر رہا، اللہ کی رحمتیں ہوں، حبیب الرحمٰن سچ مچ مرد مسلمان تھا، غریبوں کے آگے بچھا ہوا، مگر باطل کا ٹھکرانے والا۔‘‘

رسالہ الحرام میں مولانا مفتی زین العابدین نے ان الفاظ میں تذکرہ کیا:

''کہ مولانا حبیب الرحمٰن اپنے اوصاف وکمال میں ایک گلدستہ صدگل، اور ایک گل صدرنگ تھے، سیاستدانوں کے مجمع میں وہ سیاسی تھے، ادبا کی محفل میں ادیب صوفیا کی صحبت میں صوفی ہر شخص سے اس کے موضوع پر بات کرتے بے حد ذہین تھے، مخاطب کے چہرے پر ایک نظر ڈالتے ہی اس کے صفحۂ دل کی تحریر پڑھ لیتے گفتگو ٹھکی ہوئی اور مدلل کرتے تھے۔

مختصر لفظوں میں اپنا مضمون سننے والے کے دل میں پیوست کردیتے تھے۔''

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے مجاہد جلیل کی وفات کی خبر سنی تو دیر تک خاموشی میں ڈوبے رہے اور آہ بھر کر فرمایا:

''ایک اچھے رفیق، مونس، غمخوار، سراپا ایثار کی جدائی نے میرے سینے میں ایک گہرا زخم کردیا، مولانا کی وفات ملک وملت کے لئے اس صدی کا سب سے عظیم سانحہ ہے''۔

ملک کے مشہور اخبار نویس شری رنبیر نے اپنے تاثرات کا ''ملاپ'' اخبار میں اس طرح تذکرہ کیا:

"جہان فانی سے جانا سب کو ہے، لیکن جب ملک کا خدمت گار جاتا ہے تو لاکھوں آنکھیں پُرنم ہوجاتی ہیں، ہزاروں دل چلا اٹھتے ہیں، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ایسے ہی سجن تھے، انہوں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے وقت اپنے سامنے ایک عظیم مشن رکھا تھا، وطن آزاد ہونا چاہئے ہندوستانیوں کو ایک متحد قوم بن کر آگے بڑھنا چاہئے، اس کے لئے وہ جیون بھر لڑتے رہے، جدوجہد کرتے رہے اسلامی شرع اور مذہب کے بڑے ودوان تھے، اگر وہ چاہتے تو انگریز کا ساتھ دے کر بڑی بڑی جاگیریں حاصل کرسکتے تھے لیکن ایسا کرنے کی بجائے انہوں نے حریت پسند طاقتوں کا ساتھ دیا، بار بار کی نظربندیوں

اور قید کو لبیک کہا، ان کے اٹھ جانے سے ملک کو نقصان ہوا، پنجاب کو نقصان ہوا، مجھے ذاتی طور پر بھی نقصان ہوا، وہ ہے نہیں، اس خیال سے دکھ ہوتا ہے''۔

اخبار ''پیام وطن'' کے ایڈیٹر ملک کے مایہ ناز صحافی محترم مولانا عبدالباقی صاحب نے ایک تاریخی اداریہ سپرد قلم کیا، جس کے کچھ اقتباسات یہ ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا انتقال ہوگیا، اور وہ کتاب زندگی ختم ہوئی، جو ۴۶/برسوں تک جہد مسلسل اور عزم مصمم کی ضخیم کتاب تھی، کل جب آپ کا انتقال ہوا، نماز فجر کے بعد دفعۃً طبیعت بگڑی، سیاسی اور مذہبی انجمنوں کا دھڑکتا ہوا دل یکایک خاموش ہوگیا، سیاست میں وہ امام کا درجہ رکھتے تھے، لیکن تبلیغ دین کا طریقہ جوانہوں نے اختیار کیا، وہ بالکل اچھوتا، اور نرالا تھا، تبلیغ دین سے زندگی کی آخری ساعت تک انہیں غیر معمولی دلچسپی رہی دینی تاریخی اور مذہبی مسائل پر انہیں پورا عبور تھا۔''

مولانا محمد علی صاحب ناظم ختم نبوت نے آپ کی وفات پر یہ تعزیتی پیغام بھیجا:

''مولانا حبیب الرحمٰن خلوص، ایثار، جرأت وشجاعت کا پیکر تھے، آپ کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ پر نہیں کیا جا سکتا''۔

مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی نے ان الفاظ کے ساتھ آپ کی وفات پر تعزیت کی:

''ملک کو آزاد کرانے کی سعی وجدوجہد میں جن ہستیوں نے جان کی بازی لگائی تھی، ان میں رئیس الاحرار ایک خاص مقام رکھتے تھے، وطن کے اس جانباز کی جوانی کا بہترین حصہ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے میں گزرا، جنگ آزادی کا کوئی قابل ذکر محاذ ایسا نہ تھا جس میں مولانا مرحوم پیش پیش نہ رہے ہوں''۔

مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے ان الفاظ کے ساتھ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کا ذکر کیا ہے:

''رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اپنے سیاسی شعور، جوش عمل،

الوالعزمی اور جدوجہد کے امتیاز سے ہمیشہ نمایاں رہے، تحریک آزادی میں سرگرم حصہ لیا، اوراس راہ میں بارہا قیدوبند کی شدید صعوبتیں برداشت کیں''۔

پاکستان کے مشہور صحافی شورش کاشمیریؔ نے رئیس الاحرار کا قلمی چہرہ لکھا، جس کے چند اقتباسات اس طرح ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن راقم کے نزدیک اس دور میں اسلام کے واضح تصور کا صحیح فکری مظہر تھے، علماء کی صف میں جو شخص راقم کے خیال میں جدیدوقدیم تصورات کے درمیان سنگم بن سکتا تھا وہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی تھے، راقم نے بارہا دیکھا کہ ترازو کے دونوں پلڑوں کو برابر رکھنے کا جوہر فطری استعداد کے طور پر موجود ہے، وہ معاملہ کی تہ کو پالیتے اور گفتگو اور چہرہ سے معلوم کرلیتے، کہ اس کا پس منظر کیا ہے، پھر ہلکے پھلکے الفاظ میں تجزیہ کرکے بہ سہولت سمجھا دیتے، چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی بڑی باتیں ادا کرجاتے، وقارومتانت کو ہاتھ سے نہ جانے دیتے سنجیدگی آپ کے کلام کا زیوراور بہادری آپ کے دامن کردار کی سنہری جھالر مولانا کے ذاتی محاسن بے شمار تھے، وہ جماعت کے لئے اپنی ذات اوراس کی ہر بلندی کو تیاگ دینے کے قائل تھے، ان کی زندگی میں بے شمار ایسی مثالیں ملتی ہیں، کہ انہوں نے اپنی شجاعت کے لئے بڑے بڑے ایثار کو گوارا کرلیا، دوستوں کے دوست ہی نہیں بلکہ ان پر جی جان سے نچھاور بھی ہوتے آپ میں تنظیمی صلاحیت بے پناہ تھی''۔

''سال ہاسال مجلس احرار کے صدر رہے، اورنہایت تن تنے سے کام کیا، اور جب صدر تھے تو بول چال کے تیور بھی صدارتی تھے، صدر نہیں رہے تو صدر کے نقش قدم پر چلے آپ کی فطرتی خوبی تھی کہ آپ تابع رکھ بھی سکتے تھے اور رہ بھی سکتے تھے''۔

مولانا شروع میں احرار کا دل سمجھے جاتے تھے، بعد میں ان کو دماغ بھی کہا جاتا تھا۔''

پنجاب کے مشہور صحافی غلام رسول مہرؔ نے اپنے احساسات کا اس طرح اظہار فرمایا:

''دہلی کی طرف میری کشش باقی رہ گئی، کیونکہ وہاں سے تعلق اور اہم رشتہ مولانا حبیب الرحمٰن کے ساتھ تھا یہ رشتہ بھی میری صدہا امیدوں کی طرح ٹوٹ گیا، اور وہ محبوب وجود اب ایسی جگہ پہنچ گیا، جہاں پہنچنے کے لئے موت کے دروازے سے گزرے بغیر چارہ نہیں۔

میں نے ان کے انتقال کی خبر اخبارات میں پڑھی، پڑھ تو لی، لیکن گھنٹوں تک اس کی صحت پر یقین نہ آیا، مرحوم کی وجہ سے دوستوں کی ایک بہت بڑی دنیا آپ کے گردوپیش پھر رہی تھی، وہ انسانیت اور اسلامیات کے اعلیٰ خصائص کا ایک روشن چراغ تھے، کہ جہاں بیٹھ جاتے تھے محفل روشن ہو جاتی تھی، بہادر تھے جوانمرد تھے۔

میرے سامنے ان کی زندگی میں ابتلاء کے بیسیوں مرحلے آئے کسی میں بھی ہراساں یا خوفزدہ یا پریشان نہ دیکھا، وہ میدان عمل کے شہسوار تھے، خدا نے انہیں نازک سے نازک ماحول میں سچی بات سلیقے سے کہنے کی خاص صلاحیت عطا کی تھی، جو کچھ ان کی زبان پر جاری ہوتا تھا، خلوص اور صداقت کے باعث اس میں زندگی کی ایک روح خاص جلوہ گر رہتی تھی، ان کے سامنے ہمیشہ یقین کی روشنی رہی اور وہی روشنی ان کے تمام افکار و اعمال کے لئے مشعل راہ تھی''۔

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا محمد طیب صاحب مدظلہم نے ان الفاظ کے ساتھ رئیس الاحرار کے اوصاف بیان کئے ہیں:

''مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا وجود ملک بھر کے لئے ہادی اور مربی دین رہا، اور اس کے ساتھ ساتھ حریت اور آزادی کا پوری قوت اور ہمت سے علمبردار رہا، مولانا ممدوح اپنی خاندانی روایات کے مطابق ایک ذکی عالم مفکر اور راہنما تھے، معاملات میں گہرائی کے ساتھ سوچتے تھے، ملک کی آزادی میں ان کا زبردست حصہ تھا، ہر بنیادی مسئلہ میں ان کی ایک نکھری ہوئی رائے تھی اس کے ساتھ ساتھ اسلامیات اور دینی معاملات میں نہایت پختہ تھے،

دیانت وسیاست میں ان کے ہاں حدود تھے ان حدود کے سختی سے پابند تھے، بااصول اور وضعدار شخصیت رکھتے تھے، ان کے ہر قول وعمل سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کے قلب میں دین کا رسوخ کافی ہو چکا ہے، ان کی ہر بات خواہ وہ سیاسی رنگ ہی کی ہو، دین کے جذبے سے خالی نہ ہوتی تھی۔''

مہاشہ کرشن ایڈیٹر اخبار پرتاپ نے ان الفاظ کے ساتھ اظہار افسوس کیا:

''مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی چل بسے، بتا نہیں سکتا کہ ان کی موت سے مجھے کس قدر صدمہ ہوا، وہ جتنے راسخ الاعتقاد مسلمان تھے، اتنے ہی سچے نیشلسٹ ہر سوال کو قوم پرستی کے زاویے سے دیکھتے تھے، نہایت مؤثر پیکر تھے ان کی تعریف کر لوگ جھوم اٹھتے تھے، آزمائش کے کئی مواقع آئے لیکن ان کے پایۂ ثبات میں لغزش نہ آئی، نہایت خوددار تھے ان پر کڑے وقت آئے لیکن توکل برخدا انہوں نے کسی کے آگے ہاتھ نہ پسارا''۔

جمہوریہ ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے انتقال پر اپنے رنج وغم کا اظہار ان الفاظ میں کیا:

''مولانا حبیب الرحمٰن کی وفات سے ملک ہی کا نقصان نہیں ہوا، بلکہ میرا ذاتی نقصان بھی ہوا ہے، جدو جہد آزادی کے دوران ہم ایک دوسرے کے بہت قریب رہے، مولانا موصوف جس عقیدے پر یقین رکھتے تھے، اور جس جرأت اور آہنی استقامت کے ساتھ اس پر قائم رہے، اس کے سبب میں ان کا ہمیشہ مداح رہا، اور احترام کرتا رہا، شمالی ہند میں جو المیہ رونما ہوا اور جس کی لپیٹ میں وہ شدید طور پر آئے مگر اس سے ان میں تلخی نہیں آئی، اور انہوں نے ہمت نہ ہاری وہ ہندو مسلمان سکھ سب کے ہی محترم رہے، وہ ایک جوانمرد کی حیثیت سے ہماری آزادی کی تحریک میں یاد کئے جاتے رہیں گے''۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے اپنے تعلق کا اظہار اور رئیس

الاحرار کی عظیم شخصیت کے بارے میں اپنے تاثر کا اس طرح سے اظہار فرمایا:

''مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کو لدھیانوی کہا جاتا ہے کیونکہ لدھیانہ ان کا آبائی وطن تھا جہاں ان کا جدی مکان بھی تھا، اور خود ان کا بنایا ہوا مکان بھی، مگر جو سب کے لئے ہوتا ہے وہ سب کا ہوتا ہے، کسی خاص شہر کی طرف اس کی نسبت کسی تاریخی تقاضے کی بنا پر ہوتی ہے، ورنہ ہر شہر اس کا اپنا شہر ہوتا ہے۔ ع

ہر ملک ملک ماست، کہ ملک خدائے ماست

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی شخصیت اسی طرح کی تھی، مولانا حبیب الرحمٰن کا وطن اگر چہ لدھیانہ تھا، مگر ان کی بود و باش زمانۂ طالب علمی میں درسگاہوں میں اور اخیر میں دار العلوم دیو بند میں رہی، مولانا کا طالب علمی کا دور ختم ہوا تو وہ ملک وملت کے لئے اسٹیج پر نظر آتے تھے یا جیل خانہ میں بسیرا کرتے تھے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن آسمان شہرت کے آفتاب و ماہتاب تھے، اور احقر مولانا کو اس طرح دیکھا کرتا تھا، جس طرح زمین کے بسنے والے چاند ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

ذہانت مولانا کا مخصوص وصف تھا، جس نے آپ کو پوری جماعت میں سب سے ممتاز کر دیا تھا، ذہانت کے ساتھ فراست اور سیاسی بصیرت بھی ممتاز خصوصیت تھی اور کوئی بھی سمجھدار شخص پہلی ہی مجلس میں مولانا کی ان خصوصیتوں سے متاثر ہو جاتا تھا۔

جس وصف نے مولانا کی ذہانت وبصیرت کو جوہری شان بخش دی تھی، وہ جرأت، دلیری اور بہادری تھی، جو حاکم کی سخاوت کی طرح مولانا کے نام نامی کے ساتھ لازوال خصوصیت بن گئی ہے جس نے مولانا کی زندگی کو ہمیشہ مصائب کے شکنجے میں گرفتار کیا۔

اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی

مولانا کے تصور کے ساتھ جس چیز کا تصور دماغ پر چھا جاتا ہے، وہ ان کی فراخ دلی اور

عالی حوصلگی مدارات اور تواضع ہے جو ہر اس شخص کے لئے عام ہوتی تھی جس کے متعلق وہم ہو جاتا تھا کہ وہ کسی حیثیت میں مولانا کا مہمان ہے پھر یہ مدارات عام بھی تھی۔

ادیم زمیں سفرہ عام اوست
چہ دشمن بریں خواں یغما چہ دوست

حضرت مولانا کے ان اوصاف کی برکت یہ تھی کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جب مولانا نے دہلی میں قیام فرمایا تو یہاں ہر فرقہ اور ہر طبقہ میں وہ ایسے ہی معروف تھے جیسے کوئی مدت ہامدت سے دہلی ہی میں رہتا ہو، جب کچھ عرصے بعد وہ لدھیانہ تشریف لے گئے جس کے متعلق محض خارزار ہونے کا تصور نہیں تھا، بلکہ وہ مسلمانوں کے لئے دہشت زار تھا، پھر بھی وہ لدھیانہ میں ایسے مقبول تھے جیسے تحریک کے اس دور میں جب مولانا لدھیانہ کے فرمانروا مانے جاتے تھے آٹھ یا نو ماہ ہوئے نومبر کے دوسرے ہفتے میں احقر لدھیانہ گیا، جہاں مولانا کے فرزند ارجمند مولانا محمد احمد رحمانی فاضل دیوبند علمی اور عملی طریقہ پر حضرت مولانا کی جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں تو مجھے محسوس ہوا کہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی یاد اسی طرح تازہ ہے، جس طرح ان کی زندگی میں تھی بلکہ مولانا کے صاحبزادگان کے پاس قیام کر کے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کی وفات نہیں ہوئی، بلکہ وہ زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کے ان اخلاف کو بھی ایسی زندگی کی توفیق بخشے جو ہمیشہ فنا سے نا آشنا رہتی ہے۔

وماذلک علی اللہ بعزیز"۔

اس مختصر مقالے میں ہم نے کوشش کی ہے کہ رئیس الاحرار کی زندگی کو روشناس کرایا جائے، لیکن مجاہد جلیل رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی مکمل حیات کو بیان نہیں کیا جا سکا، ان کی زندگی کے ایک پہلو پر کتاب "رئیس الاحرار" میں اس کے مصنف

محترم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحب جامعی نے بڑی جانفشانی کے ساتھ بہت کچھ لکھا ہے، ان کی اس عظیم خدمت کو بھلایا نہیں جا سکتا۔

رئیس الاحرار کی زندگی لکھ کر انہوں نے اسلامی اور ملکی تاریخ میں ایک بہترین اور ضروری باب کا اضافہ کیا ہے، مؤرخین کو ان کی اس کتاب سے بہت فائدہ ہوگا، اور آنے والے ہندوستان کے لوگ جدوجہد آزادی کی تصویر کو اس کتاب میں دیکھ سکیں گے، اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں گذشتہ دور کی ساسی مذہبی تاریخ کا پس منظر اور اس کی اچھی خاصی جھلک نظر آتی ہے، لیکن ضرورت ہے کہ ایک ایسی کتاب مرتب کی جائے کہ جس میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کی مذہبی زندگی کا صحیح عکس اور ملی خدمات کی تاریخ بیان کی گئی ہو، تاکہ سیاسی اور مذہبی دنیا کے لوگ ان کی زندگی کے ہر پہلو سے روشنی حاصل کر سکیں۔

مکتوبات: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن نے ملک وملت کے لئے مکتوبات کی شکل میں ایک علمی اور تاریخی سرمایہ چھوڑا ہے، جس کو احقر ہی نے کتابی شکل میں مرتب کیا ہے یہ مکتوبات زیر طبع ہیں، شائع ہونے پر مکتوبات پر مشتمل یہ کتاب سیاسی مذہبی اور علمی لوگوں کے لئے ایک اہم کتاب ثابت ہوگی، اور بہت سے ایسے حقائق سے پردہ اٹھے گا جن سے ابھی تک لوگ ناواقف ہیں۔

خاندان: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنے پیچھے مال و دولت زر و جواہر کے انبار نہیں چھوڑے انہوں نے پوری زندگی ملک وقوم کے لئے بلا کسی معاوضہ کے کام کیا آزادی کے بعد بھی کسی چیز کے خواہشمند نہ تھے، آزادی ملنے کے ساتھ ہی اس مجاہد آزادی کا گھر لٹا، وطن چھوڑنا پڑا، ان کے عزیز و رشتہ دار اس المیہ کی نذر ہو گئے لیکن انہوں نے یہ سب کچھ خندہ پیشانی سے برداشت کیا، ملک میں جو کچھ ہوا، اسے وہ انگریزی سامراج کی آخری ضرب سمجھتے تھے، ان کی بڑی خواہش تھی کہ ملک کی اقوام آپس میں لڑنے جھگڑنے کی بجائے آزادی کی نعمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے متفق اور متحد ہو جائیں۔

ملک میں سرمایہ دارانہ نظام کی بجائے لوک راج قائم ہو، اوراس ملک کی باگ ڈور غریب اور دیانتدار عوام کے ہاتھ میں ہوتا کہ لوگوں کو انصاف اور سکھ چین مل سکے۔

افسوس ایسا نہ ہوسکا، ملک میں صوبائی ،لسانی اور سینکڑوں قسم کے جھگڑے کھڑے ہوئے، جن سے ملک کی عام جنتا کو نقصان ہوا، اور وہ آزادی کا حقیقی لطف اٹھانے سے محروم ہوگئی۔

عوام کے بجائے سرمایہ دار پیش پیش رہے، اورانہوں نے خرید وفروخت کا بازار تیز کردیا، آج روٹی سے لے کر کرسی تک ہر چیز خریدی جاسکتی ہے، جوخواب آزادی کے مجاہدوں نے دیکھا تھا، ابھی تک شرمندۂ تعبیر نہ ہوسکا، آج بھی ضرورت ہے، قربانی، ایثار اور جذبۂ خدمت کی تاکہ آزادی کا ہمارا یہ جہاز ساحل مراد تک پہنچ جائے۔

برادران: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے دو چھوٹے بھائی بقید حیات ہیں، حضرت مولانا یحییٰ صاحب، مولانا محمد حسن صاحب۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب: پنجاب کے علماء میں جید اور مشہور عالم ہیں، جنگ آزادی میں کئی بار آپ بھی جیل گئے، سینکڑوں لوگ آپ کے عقیدت مند ہیں، ان میں وہ تمام صفات موجود ہیں، جو ایک عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ میں ہونی چاہئیں، علامہ نے لدھیانہ سے اجڑنے کے بعد لائلپور میں قیام فرمایا ہے، سینکڑوں کی تعداد میں لوگ صبح وشام ان سے روحانی فیض حاصل کرنے کے لئے جاتے ہیں، ان کی تقریر اور کردار وعمل سے عوام وخواص متاثر ہوتے ہیں، شکل وشباہت رئیس الاحرار سے ملتی جلتی ہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے خاص شاگردوں میں سے ایک ہیں، ان کی ذہانت اور علم پر شاہ صاحب کو ناز تھا، خدا خاندان حبیب کے اس عظیم انسان کو لمبی عمر عطا فرمائے تاکہ مخلوق الٰہی کو فیض روحانی حاصل ہوتا رہے۔

مولانا محمد حسن صاحب: رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں، آج کل رحیم یار خان میں آپ کا قیام ہے، دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل اور ذہین عالم ہیں،

ساری عمر تعلیم و تعلم میں صرف کردی اور اب بھی ملی اور ملکی کاموں میں مصروف کار نظر آتے ہیں، ان کے عقیدت مندوں کا بھی ایک حلقہ ہے، کئی ایک کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

اولاد: رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے صاحبزادے اسی طرح دین و اسلام کی خدمات میں مصروف ہیں، جیسے وہ خود تھے یہ سب لوگ حالات کی خرابی، معاشی مشکلات کا شکار ضرور ہوئے، لیکن ان میں سے کسی ایک نے اپنے خاندانی وقار، علم و عمل اور مذہبی طریق کار کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور پوری لگن سے اپنی اپنی جگہ ملکی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مولانا خلیل الرحمٰن: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے بڑے صاحبزادے ہیں، لمبا قد، گورا رنگ، کتابی چہرہ، گفتگو اور چال میں وقار، نہایت ذہین اور پایہ کے عالم ہیں، مشکلات کے ہر دور میں اپنے والد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے ساتھ سایہ کی طرح لگے رہے، جنگ آزادی میں بہترین کارہائے نمایاں انجام دیئے، کئی بار جیل جانا پڑا، جسے انہوں نے خندہ پیشانی سے قبول کیا، برسوں گجرات جیل اور پنجاب کی دوسری جیلوں میں بند رہے، لیکن ان کے استقلال میں فرق نہ آیا، ان کے جیل کے ساتھیوں میں آصف علی سے لے کر پرتاپ سنگھ کیروں تک شامل ہیں۔

آل انڈیا مجلس احرار کے ڈکٹیٹر رہے، ان کے ایک اشارے سے سینکڑوں احرار کے رضا کاروں نے انگریز کے خلاف بغاوت کی، آج کل پھگواڑہ جامع مسجد میں مقیم ہیں، جہاں بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ یہ شخص جنگ آزادی کا ایک عظیم مجاہد ہے، موجودہ ملکی حالات کو وہ جب دیکھتے ہیں تو ان کے چہرہ پر اداسی چھا جاتی ہے، اور ملک وملت کے لئے ٹھنڈی آہ بھر کر چپ ہو جاتے ہیں، انہوں نے ایک ایسا دور دیکھا ہے اور ایک ایسے دور سے گزرے ہیں جس کے حالات سن کر آج رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، خاندانی روایات کے حامل ہیں اور اپنے اسلاف کے نقش قدم پر قائم۔

مولانا عزیز الرحمٰن: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے دوسرے صاحبزادے

مولانا عزیز الرحمٰن جامعی ہیں، درمیانہ قد نہایت گورا رنگ آنکھوں اور چہرہ سے ذہانت ٹپکتی ہے کتاب رئیس الاحرار اور دیگر بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، انہوں نے بھی جنگ آزادی میں سرگرم حصہ لیا، جیل گئے ہندوستان بھر کے تمام لیڈران سے واقف ہیں، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب صدر جمہوریہ ہند کے خاص شاگردوں میں ان کا شمار کیا جاتا ہے، دہلی کوچہ رحمان میں مقیم ہیں، کئی اخباروں میں بلا نام کے ایڈیٹوریل لکھتے ہیں، صحافت کی دنیا میں آپ کا شمار ایک بہترین صحافی کے طور پر کیا جاتا ہے، جس کام کو کرتے ہیں پوری لگن سے کرتے ہیں، دہلی جیسی جگہ میں انہوں نے مقام پیدا کیا، اور ایسے لوگوں کے درمیان کام کر رہے ہیں، جہاں کام کرنا بہت مشکل بات ہے، ایک اسکول کھولا، جہاں ان کے دوست دشمن حصول تعلیم کے لئے بچے داخل کرنے پر مجبور ہو گئے، آج کل ایک مذہبی مسئلہ پر ماخوذ ہیں، اور اس طرح اپنے اسلاف کی سنت کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔

مولانا انیس الرحمٰن: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے تیسرے صاحبزادے مولانا انیس الرحمٰن ہیں، برسوں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کی خدمت میں رہے، ان لوگوں میں ان کا شمار ہے، جن لوگوں کو حضرت سے والہانہ محبت و تعلق تھا، اور حضرت کے خلفاء میں بڑے درجہ کے اور مشہور خلیفہ ہیں آپ سے سلسلہ بیعت بھی جاری ہے، مظاہر علوم سہارنپور کے فارغ التحصیل ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کے مشہور شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے، نہایت ذہین عالم اور حافظ قرآن ہیں، مسائل دینیہ کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، آج کل لائلپور خالصہ کالج میں مقیم ہیں، جہاں سینکڑوں بندگان خدا فیض روحانی حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں، خدوخال نہایت خوبصورت ہیں، رنگ گورا، مخاطب سے جب بات کرتے ہیں تو ان کا رعب اور ہیبت اس پر طاری ہو جاتی ہے لوگ احترام اور عزت سے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، علماء کی جماعت میں ان کا ایک مقام ہے۔

مولانا محمّد طیّب صاحب: رئیس الاحرار کے چوتھے صاحبزادے مولانا

محمد طیب صاحب ہیں، گندمی رنگ، بھرا ہوا جسم، رعب دار شخصیت کے مالک ہیں، علوم دینیہ کے عالم اور دنیاوی اعتبار سے گریجویٹ ہیں، دہلی میں مقیم ہیں، ان کا الگ ایک حلقہ احباب ہے، بڑے اچھے پیرائے میں علمی ادبی اور سیاسی مسائل بیان کرتے ہیں، جو لوگ ان سے واقف ہیں وہ ان کے گرویدہ ہیں، نمائشی کاموں سے ہمیشہ دور رہے ایک دفتر میں اچھے عہدے پر فائز ہیں، اپنی کوشش سے کوچہ رحمان میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا، جو ان کی سرپرستی میں چل رہا ہے، جس سے ملت اسلامیہ کے ہزاروں خاندان فیضیاب ہو رہے ہیں اور وہ اپنے اس کام کاج کی وجہ سے مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں عزت اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، بلاوجہ کے کاموں سے احتراز کے باعث عوام کے دلوں میں ان کے لئے بڑی جگہ ہے۔

مولانا محمد ازہر صاحب: رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کے پانچوے صاحبزادے مولانا محمد ازہر صاحب ہیں، پتلے دبلے درمیانہ قد گندمی رنگ قبول صورت چال ڈھال درویشانہ مقابل سے بات چیت کرنے میں چاق وچوبند مدرسہ خیر المدارس جالندھر کے تعلیم یافتہ ہیں، مولانا خیر محمد صاحب کے مخصوص شاگردوں میں آپ کا شمار کیا جاتا ہے۔ نہایت ذہین اور معاملہ فہم لوگوں میں سے ہیں، سلیقہ سے سچی بات کہنے کا انہیں ملکہ حاصل ہے، خوددار اور باوضع ہیں اپنا مخصوص حلقہ احباب رکھتے ہیں، ملت اسلامیہ کے لئے ان کے دل میں بڑے درد ہیں، پہلی ملاقات میں ہی مخاطب ان کی شخصیت کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہتا۔

مولانا سعید الرحمٰن صاحب: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے چھٹے صاحبزادے ہیں، حافظ قرآن اور دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل عالم ہیں، درمیانہ قد گورا رنگ اکہرا بدن رنگ وروپ وضع قطع کے اعتبار سے خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں، صحت منداور ابھی جوان ہیں، نہایت ذہین اور پائے کے عالم ہیں، ہر بات کو قانون اور قاعدہ سے دیکھتے ہیں، مسلمانوں کے ایک طبقے میں خاصے مقبول ہیں، مرضی اور منشاء کے

بغیر کوئی کام نہیں کرتے، حکام بالا سے کام نکالنے اور رسوخ پیدا کرنے میں ماہر، لدھیانہ جوکہ ان کا آبائی وطن ہے، دوبارہ واپس آئے، بڑی جدوجہد اور محنت کے ساتھ انہوں نے یہاں پر دومنزلی جامع مسجد واگزار کرائی، جو ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اسلامی اور مذہبی مرکز کی شکل اختیار کر گئی، شہر میں ان کا حلقہ احباب ہے، اور بہت سے بہی خواہ ہیں، کسی دباؤ کے تحت کام کرنے کے عادی نہیں، ان کی شخصیت سے ملک وملت کو عظیم فائدہ پہنچ رہا ہے۔

محمد احمد رحمانی: خاکسار راقم الحروف کا بھی نسبی تعلق رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے ساتھ ہے، ان کی اولاد میں سب سے چھوٹا ہوں، زندگی کا بیشتر حصہ اس جدوجہد میں گزر گیا، کہ والد مرحوم کے نقش قدم پر چل کر ملت اسلامیہ کے کسی کام آسکوں، اور والد مرحوم کے ان اصولوں کو اجاگر کرسکوں، جوکہ ملت کا بہترین سرمایہ ہیں، سب سے پہلے اس کام کے لئے ایک اخبار لدھیانہ سے (**الحبیب**) کے نام سے بھی نکالا، جو عرصہ تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا، اور ملک کے بہت سے حصوں میں یہ اخبار انفرادی حیثیت سے مقبول ہوا، اخبار چونکہ علمی اور معیاری تھا، تجارتی نقطۂ نگاہ کی اس کو ہوا نہ لگی، اس لئے سرمایہ کی کمی اور حالات کی خرابی کی بنا پر یہ اہم اخبار بند کرنا پڑا، اس اخبار کی حق گوئی اور بے باکی کی بنا پر پنجاب ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ بھی چلایا گیا، جہاں اس کے مخالفوں کو منہ کی کھانی پڑی، مگر یہ مقدمات اخبار کو بند کرنے کا باعث بنے، آج بھی ضرورت ہے کہ پنجاب سے اس طرح کا ملت اسلامیہ کا ترجمان اخبار نکالا جائے، تاکہ پنجاب کے لوگوں کو اسلام کی طرف دعوت دی جاتی رہے، میں نے ہندوستان کی مشہور عربی یونیورسٹی دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ تعلیم حاصل کی، وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، اور شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت مولانا ابراہیم صاحب اور مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند جیسے صاحب علم اور صاحب نسبت بزرگوں کی صحبت ملی۔

تعلیم کے بعد کئی ایک برس تک حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی

خدمت میں علمی اور روحانی فیض حاصل کرنے کی غرض سے مقیم رہا، رائے پور کے قیام میں مجھے حضرت کی صحبت سے علمی اور روحانی فیض حاصل ہوا، میں نے حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں سبقاً سبقاً حضرت کو تاریخی مذہبی کتب پڑھ کر سنائی اور اس طرح بہت سی تصوف کی کتابیں حضرت کی خدمت میں پڑھ کر سنانے کا اتفاق ہوا، رائے پور کا یہ زمانہ ایک ایسا زمانہ تھا جسے شیخ کا آخری زمانہ کہا جاتا ہے، اس وقت حضرت کی مجلسوں میں ملک بھر کے علماء صوفیا اور صاحب نسبت لوگوں کا اجتماع رہتا تھا۔

دارالعلوم دیو بند اور رائے پور کی روحانی اور علمی مجالس سے مجھے مذہبی، علمی، ملکی اور ملی مسائل اور حالات سمجھنے کا موقعہ ملتا رہا، میرے ذہن وفکر کو ان مجالس سے اپنے لئے ایک صحیح رائے متعین کرنے کا موقعہ ملا۔

میری خوش قسمتی ہے کہ مجھے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن کی زندگی کے آخری ایام میں خدمت کرنے کا موقعہ ملا، میرے لئے والد مرحوم کے آخری دو سال بہت قیمتی ثابت ہوئے، میں ان دنوں ان کے بہت قریب رہا، اور مجھے بہت کچھ معلوم ہوا، اور میں نے ان سے بہت کچھ سمجھا اور سیکھا۔

ان کے قلب مبارک میں یہ بڑا دکھ تھا کہ ان کا وطن جہاں کبھی لوگ اللہ کے نام کی آواز بلند کرتے تھے، خدا کا نام لینے والوں سے خالی ہے، انہوں نے اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری کے مشورے سے ہمیں حکم دیا کہ ہم پنجاب میں آ کر ملت اسلامیہ کی خدمت کریں اور از سر نو اسلامی حیات کی ابتدا کی جائے، چنانچہ ان دونوں بزرگوں کے حکم سے راقم الحروف ''محمد احمد رحمانی'' مولانا خلیل الرحمٰن، مولانا سعید الرحمٰن لدھیانہ اپنے وطن میں واپس آئے اور یہیں سے پنجاب میں مسلمانوں کی حیات جدیدہ کا کام شروع ہوا۔

اس کام میں جس قدر توجہ سابق وزیر اعلیٰ پنجاب سردار پرتاپ سنگھ کیروں نے کی اس کو بھلایا نہیں جاسکتا، ان کی توجہ اور مدد سے پنجاب بھر میں مساجد اور خانقاہیں واگزار ہوئیں، اور ایک بار پھر پورے پنجاب میں اذان کی آواز سے فضا گونج اٹھی۔

ہمیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ اب ان مساجد اور خانقاہوں کا انتظام کیسے اور کیونکر ہورہا ہے، اور یہ کہ موجودہ انتظامی ڈھانچہ اپنی کارگزاری میں کامیاب ہے یا نہیں، مجھے صرف اس بات کی خوشی ہے کہ جس کام کا حکم رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن اور حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نے دیا تھا، وہ ایک درجہ پایہ تکمیل تک پہنچ گیا، اور یہ ایک صدقہ جاریہ ہے کہ جس کا ثواب ان بزرگوں کی ارواح کو یقیناً تا قیامت ملتا رہے گا، رئیس الاحرار کا سیاست سے لگاؤ بظاہر ان کی زندگی کا جز ونظر آتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے پایہ کے سیاستدان ہوتے ہوئے بھی صرف مذہبی انسان تھے جس طرح اسلامیات کو انہوں نے سمجھا، اور اسلام کی تبلیغ کی، سیاست اور مذہب کو جدا جدا کیا، یہ ان ہی کا کمال تھا، ان کی عظیم مذہبی شخصیت سے ملت اسلامیہ کو ہر مشکل موڑ پر رہنمائی ملی اور بے پناہ فیض پہنچا ہندو مسلم اور دیگر مذاہب کے لوگ ان کی سیاسی اور مذہبی شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

میری زندگی کی جدوجہد کا محور اور دلی خواہش وتمنا یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کے ایسے افراد اور اشخاص ملت کی رہنمائی کے لئے قیادت کا کام سنبھالیں اور رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کی طرح ملک وملت کی بے غرض خدمت کریں تاکہ آنے والی نسلوں کو دین پر قائم رکھا جا سکے۔

رئیس الاحرار کی چار صاحبزادیاں ہیں جن میں سے ایک کا انتقال ان کی زندگی میں ہو چکا ہے۔

رقیہ بیگم: بڑی صاحبزادی ہیں، بڑی عالمہ، زاہدہ اور فاضلہ ہیں، عرصے سے راولپنڈی میں مقیم ہیں، جہاں مسلم گھرانوں کی عورتیں ان سے مذہبی معلومات حاصل کرنے کے لئے آتی جاتی ہیں، ان کے شوہر مولانا محمد یوسف صاحب پنجاب کے علماء میں مشہور عالم ہیں، برسوں سے تعلیم وتعلم میں مشغول ہیں ان کی شاگرداؤں کا خاصا بڑا حلقہ ہے، دونوں میاں بیوی ملی خدمات میں ساری عمر مصروف کار رہیں۔

زبیدہ بیگم: دوسری صاحبزادی زبیدہ بیگم ہیں، اس کا انتقال تقسیم وطن کے

ساتھ ہی لائل پور میں بڑی بیچارگی کے عالم میں ہوا، اوران کے انتقال سے رئیس الاحرار کو ہی نہیں، بلکہ ملک بھر میں علمی دنیا کے لوگوں کو صدمہ پہنچا، نہایت ذہین عالمہ اور زاہدہ خاتون تھیں جوانی میں ہی انتقال کر گئیں، عرصے تک باقاعدہ ایک سکول میں اسلامیات کی لیکچرار رہیں، قرآن وحدیث پر اسے عبور حاصل تھا، اس کے شائع شدہ مضامین اور چھپے ہوئے خطوط دیکھ کر اس کی علمیت کا اندازہ ہوتا ہے اردو کی بہترین ادیبہ تھیں۔

ان کے شوہر غلام مصطفیٰ صاحب ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اور بڑے ہی صاحب علم اور مہربان استاد تھے، افسوس گذشتہ چند برس پہلے آپ بھی اچانک انتقال فرما گئے، زبیدہ مرحومہ کے دو بچے ہیں جلال احمد اور حاضرہ بانو، جن کی تعلیم وتربیت اور پرورش شفیق باپ اور محبت کرنے والی ماں کی طرح مولانا عزیز الرحمٰن اور ان کی اہلیہ نے کی ہے۔

خاتون جنت: تیسری صاحبزادی خاتون جنت صاحبہ ہے، احاطہ کالے صاحب دہلی میں مقیم ہے، علوم دینیہ کی واقف کار اور بڑے پایہ کی عالمہ ہے، دہلی احاطہ کالے صاحب میں ان کا گھر مسلمان بچیوں کے لئے ایک مرکز تعلیم ہے، مسلمانوں کی سینکڑوں بچیوں نے ان سے بلا معاوضہ قرآن اور مسائل دینیہ کی کتابیں پڑھیں، قرآن پاک پڑھانے کا ان کو ملکہ حاصل ہے، ان کے شوہر جناب فراست حسین صاحب صدیقی بڑے پایہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور علم دوست انسان ہیں۔

بلقیس فاطمہ: چوتھی صاحبزادی بلقیس فاطمہ ہیں، ریاست بہاولپور مغربی پاکستان میں مقیم ہے، نہایت ذہین اور بذلہ سنج، مقررہ اور واعظہ بھی ہیں، ملکی اور مذہبی مسائل کو سمجھنے کا انہیں سلیقہ ہے، خاندان میں مقبول اور چہیتی ہیں، مخاطب سے بات کرتے وقت اپنی سمجھ اور گفتگو سے چھا جاتی ہیں، ان کے شوہر محترم حبیب اللہ صاحب ایک بڑے عہدہ پر فائز ہیں، نہایت دیانتدار اور صاحب علم انسان ہیں، ان کے احباب ان کی شخصیت سے متاثر نظر آتے ہیں۔

اہلیہ شفاعت بیگم: رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کی اہلیہ ہیں،

پوری جدوجہد آزادی میں سب سے زیادہ حصہ اگر کسی نے لیا تو وہ ان کی اپنی اہلیہ شفاعت بیگم ہیں، جس نے مصیبت اور مشکلات کے وقت رئیس الاحرار کے دوش بدوش کام کیا، اور کبھی انہیں احساس نہ ہونے دیا کہ ان کی گرفتاری اور جدوجہد سے اسے کوئی پریشانی ہے۔

رئیس الاحرار کے جیل جانے کے بعد انگریزی سامراجیوں نے اس کا گھر زیورات، برتن بسترے غرض کہ جو کچھ بھی تھا لوٹا اور اس عظیم عورت نے ان سب تکلیفوں کو ملکی آزادی کے لئے خندہ پیشانی سے قبول کیا، انگریزی ظلم وتشدد کے مقابلہ میں پورے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر قائم رہی اور اس ظلم وتشدد نے انہیں مجبور کردیا کہ وہ تحریک آزادی میں پورے زور وشور سے حصہ لیں۔

رئیس الاحرار کے جیل کے زمانے اور عدم موجودگی میں سینکڑوں مجاہدین آزادی شفاعت منزل حبیب روڈ لدھیانہ میں آکر ٹھہرتے، ان مجاہدین آزادی کو اس گھر میں پناہ ملتی، پوری رازداری کے ساتھ ٹھہرایا جاتا، اور اس عظیم عورت نے ملکی آزادی کے لئے اپنے زیورات اور سامان تک بیچ کر مجاہدین آزادی کو پیش کردیا، تاکہ یہ تحریک آزادی کا کام نہ رک سکے۔

نہایت ذہین اور صاحب علم عورت تھیں، اور راتوں کو اٹھ کر بارگاہ الٰہی میں سربسجود ہوجاتی، لدھیانہ کے تمام مذہبی گھرانوں میں ان کی شخصیت کو ایک عابدہ عالمہ زاہدہ عورت کی حیثیت سے دیکھا جاتا تھا۔

اس عظیم عورت کے سامنے اس کا خاوند بیٹے بھائی اور اس کے خاندان کے چھوٹے بڑے بزرگ اور رشتہ دار تحریک آزادی میں شریک ہوکر جیل کو لبیک کہتے، اور خندہ پیشانی سے انگریزی ظلم وستم کو اس خاندان کے لوگوں نے برداشت کیا، رئیس الاحرار کی اہلیہ نہایت خوشی کے ساتھ اپنے ان تمام عزیزوں اور بزرگوں کو جیل کے لئے رخصت کرتی......اس کی صرف ایک تمنا تھی کہ اس کا یہ ملک غیر ملکی سامراج کی طاقت سے آزاد ہوجائے، غلامی کی زنجیریں ٹوٹ جائیں اور ملک کے عوام کو اس ملک پر راج کرنے کا حق ہو، اپنی اس تمنا کے لئے سب کچھ داؤ پر لگا دیا، ایسی باعصمت بیوی...... ماں......اور بہن کا ملنا بہت مشکل

ہے، رئیس الاحرار کی اہلیہ کا شمار ایسی عظیم عورتوں میں ہوتا ہے، جن کے نام تاریخ کے اوراق میں سنہری الفاظ میں لکھے جاتے ہیں۔

ہم نے اس تحریر میں رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے خاندانی حالات و کوائف پر اکتفا کیا ہے، ضرورت تھی کہ رئیس الاحرار کے ان ساتھیوں کا بھی ذکر کیا جاتا جنہوں نے ان کے ساتھ دوش بدوش کام کیا جن میں سے مشہور نام مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری، چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی، مولانا داؤد غزنوی، مولانا حفظ الرحمٰن، شورش کاشمیری جس کی جوانی جیل کی سلاخوں کے درمیان گزر گئی، لیکن یہ مختصر مقالہ اس پوری تاریخ کو بیان کرنے کا متحمل نہیں ہے، اس کے لئے تاریخ کی ایک پوری کتاب چاہیئے وقت نے اگر فرصت دی اور توفیق الٰہی شامل حال رہی تو کوشش کروں گا کہ ایک ایسی کتاب لکھوں جس سے ان کے ساتھیوں اور احباب سے بھی لوگوں کو روشناس کرایا جا سکے۔

مضامین: مضامین رئیس الاحرار کی ترتیب و اشاعت میں ان سب حضرات کا مشکور ہوں جنہوں نے اس کام میں میری مدد کی، خصوصیت کے ساتھ عزیز دوست سردار ہرچرن سنگھ صاحب کاتب جنہوں نے اپنی قلم سے مضامین کے مسودات کو صاف کیا اور اپنی دلی محبت اور لگاؤ سے ان مضامین کو ترتیب دینے میں میری مدد کی۔

کتاب کی کتابت اور اشاعت میں موجودہ پنجاب میں کاتبوں کی نایابی اور پریس میں بہترین کاریگروں کے نہ ہونے سے بہت سے نقائص اور غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کا مجھ کو بلا کسی تامل کے اعتراف ہے، بہرحال یہ خدمت جو ہم نے ادا کی، اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہمیں امید ہے کہ وہ اسے قبول کرے۔

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کی ہمہ گیر شخصیت اور ان کے زریں مقالات و مضامین کو ہزاروں کی تعداد میں شائع کر کے ملک بھر میں تقسیم ہونا چاہیئے تا کہ آنے والے ہندوستان میں ہر طبقہ اور خیال کے لوگوں کو صحیح رہنمائی مل سکے۔

حکومت پنجاب کو خصوصاً اور حکومت ہند کو ایسے بزرگوں کی شخصیات اور ان کے عمل

وکردار سے موجودہ نسل کو متعارف کرانے کے لئے قدم اٹھانا چاہئے یہ وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے ہندوستان میں متحدہ قومیت اور لوک راج کے لئے قربانیاں دیں جس سے ملک کے لوگوں کو آزادی کی نعمت ملی۔

محمد احمد رحمانی

۲/۵/۶۹

افراد

ساری دنیا میں ہمیں کوئی ہمارا نہ ملا
اپنی قسمت کا کسی سے بھی ستارا نہ ملا
ہم کو تعمیر نشیمن کی تمنا ہی رہی
چار تنکوں کا گلستاں میں ہمارا نہ ملا
حرم و دیر کی عظمت کا خدا حافظ ہے
میکدے میں کوئی اللہ کا پیارا نہ ملا

اسلام نے انسانی عظمت کا جو تصور پیش کیا ہے، اس میں رنگ و نسل اور پیشے کا وجود نہیں ملتا، اسلام پیشے اور برادری کی بنا کر کسی انسان کو ذلیل نہیں کہتا۔

اسلام ہر ایک انسان کو برابر کا درجہ دیتا ہے اور انسانی برتری کا معیار کیرکٹر (اخلاقی فوقیت) کو قرار دیا گیا ہے، اسلام میں نیک و بدکار تصور تو ہے لیکن اچھوت اور غیر اچھوت کا نہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

☆......☆......☆

ڈائری کے اوراق

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ اپنی خودنوشت یادداشتوں میں جو انہوں نے منٹگمری جیل میں تحریر کی تھیں:

اپنی پیدائش اور تعلیم وتربیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میری پیدائش ۳/جولائی ۱۸۹۲ء مطابق ۱۱/صفر ۱۳۱۰ھ بروز اتوار صبح کے وقت ہوئی، میرے والد مولانا محمد ذاکر صاحب اپنے والد کے ایک ہی بیٹے تھے، اور میں پہلا بچہ تھا۔ اس لئے دادا اور دادی کو پوتے سے جو قدرتی پیار ہونا چاہئے وہ پیار مجھے دادا دادی کے آغوش میں میسر ہوا۔ دونوں مجھے بہت زیادہ پیار کرتے تھے۔ میری دادی مرحومہ بہت ہی بزرگ اور صاحب نسبت تھیں۔ اور خود دادا مرحوم وقت کے فقیہہ ولی اور مجاہد تھے دادا مرحوم مجھے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے، جب میں کچھ بڑا ہوا تو مجھے تقریر اور وعظ سکھایا کرتے، مجھے خالی وقت میں ممبر پر بٹھا کر خود مراقب ہو کر بیٹھ جاتے اور مجھ سے فرماتے بیٹا تقریر کرو، میں دن بھر جو کچھ باتیں ان سے سنا کرتا وہی کہنی شروع کر دیتا۔ وہ میری تقریر بہت توجہ سے سنتے تھے، دادا مرحوم کی تربیت اور توجہ کا یہ اثر ہوا کہ مجھے اسلام سے والہانہ محبت اور انگریز کی غلامی سے انتہائی نفرت ہوگئی، اس طرح دادا مرحوم نے میری ابتدائی تعلیم وتربیت پر پوری توجہ دی، ان کی تعلیم وتربیت وشفقت ۱۹۰۳ء تک مجھے نصیب رہی۔ ۱۹۰۳ء کے رمضان المبارک میں دادا مرحوم کے چھوٹے بھائی مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانویؒ کا انتقال ہوا، ان کے انتقال کے بعد ۱۳/رمضان المبارک کو تیرہ دن بعد دادا کا انتقال ہوگیا میں ان کی شفقت اور فیضان نظر سے محروم ہوگیا''۔ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے دادا مرحوم سے مشورہ کر کے انتقال سے ایک ماہ قبل اپنی لڑکیوں کی

نسبت اور نکاح خاندان کے لڑکوں سے کردیئے۔ میری نسبت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب لدھیانویؒ کی چھوٹی صاحبزادی شفاعت بی بی سے ہوئی۔ میری اور میری اہلیہ کی عمر بہت کم تھی، ایک مدت تک ہم دونوں یہ نہ سمجھ سکے کہ ہمارا آپس میں کیا رشتہ ہے۔ ہم دونوں ایک مدرسہ میں ساتھ پڑھتے تھے۔ لیکن آپس کے رشتہ کا کسی کو علم نہ تھا''۔

ابتدائی تعلیم۔قرآن مجید اور اردو کی ابتدائی تعلیم گھر کے مدرسہ لدھیانہ میں ہی پائی۔ تین کلاس تک کی تعلیم مدرسہ حقانی میں حاصل کی، جو مولانا نور محمد صاحب لدھیانوی نے جاری کیا تھا۔طالب علمی کے زمانے میں میری والدہ مرحومہ بیمار ہوگئیں، کئی ماہ تک شدید بیمار رہیں، میرے والد کے ماموں مولانا عبدالواحد صاحب والدہ کو اپنے گھر لے گئے۔ والدہ مرحومہ کا علاج انہوں نے خود کیا۔ مولانا عبدالواحد صاحب ولی کامل ہونے کے علاوہ بہت اچھے حکیم بھی تھے۔ میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ ان دنوں ابتدائی کتابیں پڑھتے تھے۔

میں بچپن ہی سے زیادہ سوچنے کا عادی تھا، اپنے گھر کی مالی مشکلات غربت وافلاس کو دیکھ کر اس کے مطابق اپنی زندگی کو چلاتا تھا، والدہ کی صحت کے بعد مجھے پڑھنے کی طرف زیادہ دھیان ہوا۔تب میرے والد نے مجھے نکودر ضلع جالندھر کے عربی مدرسہ میں داخل کردیا، مجھ سے پہلے اس مدرسہ میں مولانا عبداللہ صاحب (جو میرے ہم زلف بھی ہیں) داخل ہو چکے تھے، ہمارے استاد وقت کی بہت بڑی درویش اور بزرگ حافظ محمد صالح صاحب اس مدرسہ کے مہتمم تھے۔گلاؤٹھی کے مشہور عالم مولانا عبداللہ صاحب اس مدرسہ کے صدر مدرس تھے، میرے ساتھیوں میں مولانا احمد دین رائے پوری، مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ (جو اس وقت پنجاب کے مشہور عالم اور مفتی ہیں) مدرسہ خیرالمدارس کے شیخ الحدیث ہیں، میرے ہم جماعت تھے، ان کے علاوہ اور بھی کئی ساتھی تھے، جن کا میں نام بھول گیا ہوں، میرے رشتہ داروں میں مولانا قاری عبدالرحمٰن میرے ساتھ پڑھتے تھے، ان ہی دنوں مولانا عبداللہ صاحب فاروقی کوٹلوی بھی مدرس ہوکر تشریف لائے، مولانا عبداللہ صاحب

کے والد میرے دادا مرحوم کے شاگرد تھے، اس لئے انہوں نے مجھے بجائے مدرسہ کے اپنے گھر پر رہنے کے لئے کہا۔ میں ان کے گھر رہنے لگا، کچھ چھوٹی کتابوں کا سبق بھی ان سے پڑھتا رہا۔ اگرچہ مولانا عبداللہ صاحب مجھ سے عمر میں بڑے ہیں، لیکن آج وہ میرے عزیز دوست اور پیر بھائی ہیں، دو سال تک اس مدرسہ میں پڑھتا رہا، اس کے بعد والد صاحب نے مجھے امرتسر مولانا نور احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں پڑھنے کو بھیج دیا، حضرت مولانا کا مدرسہ شیخ بڈھے کی مسجد چوک فرید میں تھا، اسی مسجد میں مولانا خود بھی رہتے تھے۔ مولانا نور احمد صاحب پسرور ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اپنے زمانے کے شیخ محدث اور شب بیدار بزرگ تھے، حضرت مولانا نور احمد صاحب کئی سال مکہ معظّمہ میں رہے تھے مولانا رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی کے شاگرد تھے اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، مولانا نور احمد صاحب کے پڑھانے میں کچھ ایسی برکت تھی کہ سبق پڑھتے ہی پڑھتے یاد ہو جاتا تھا، میرے ساتھ مفتی محمد نعیم صاحب مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب جو اس وقت مدرسہ انوریہ کے مہتمم ہیں، مولانا عبداللہ میرے پھوپی زاد بھائی مولانا عتیق الرحمٰن جو میرے رشتہ میں بھائی ہوتے ہیں، میرے ساتھ پڑھتے تھے، مولانا نور احمد صاحب نے مجھے ایک نابینا حافظ سے علم تجوید کے مطابق قرآن مجید پڑھنے کی مشق کروائی۔

لدھیانہ میں پہلی تقریر

۱۹۱۴ء تک مولانا نور احمد صاحب کے مدرسہ میں ہی میں تعلیم حاصل کرتا رہا، بلقان دار کے زمانے میں لدھیانہ میں آیا ہوا تھا، ترکوں پر انگریزی مظالم کی خبریں پڑھ کر میرا دل و دماغ بڑا بے چین رہتا تھا، میں چاہتا تھا کہ انگریزوں کے خلاف کچھ کروں، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا، کہ کیا کروں اپنی اس بے بسی پر گھنٹوں مسجد میں بیٹھ کر دعا کر کے رویا کرتا تھا کہ کوئی راستہ انگریزوں کے خلاف کام کرنے کا ملے، ایک دن شہر کے چند نوجوان دوستوں اور ساتھیوں سے اپنے جذبات کا اظہار کیا، تو انہوں نے میری باتیں سن کر شہر میں

اسلامیہ اسکول کے سامنے والے میدان میں جلسہ کرنے کا اعلان کر دیا۔ جلسہ کا عنوان تھا ''آج مولانا حبیب الرحمٰن کا وعظ ہوگا اور ترکوں کی ہمدردی میں بھی تقریریں ہوں گی'' اس اعلان کا ہونا تھا کہ شہر کے ہندو مسلمان ہزاروں کی تعداد میں جمع ہو گئے، جلسہ میں شہر کے امراء، رؤساء، وکلاء، ڈاکٹر غرضیکہ ہر طبقہ خیال کے لوگ موجود تھے۔ سی، آئی، ڈی کے رپورٹر بھی خاصی تعداد میں موجود تھے، اسٹیج پر میں تھا، یا میرے چند نوجوان ساتھی، اور کسی کو یہ توفیق یا ہمت نہ تھی کہ وہ اسٹیج پر آ کر بیٹھے، تقریباً ایک گھنٹہ تک ترکوں کی حمایت میں میری تقریر ہوئی تقریر سن کر لوگوں کے دلوں میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد اپنی نوعیت کا یہ پہلا جلسہ تھا، جلسہ ختم ہونے کے بعد میں گھر آ گیا، رات بھر مجھے بڑی خوشی رہی، اسی رات میرے والد صاحب کے پاس ان کے ایک دوست آئے، اور کہا کہ آپ کے صاحبزادے حبیب الرحمٰن دادا، پردادا کے رنگ پر جارہے ہیں، میرا خیال ہے کہ صاحبزادہ پر جذبۂ شہادت سوار ہے، پھانسی سے کم ان کو سزا نہ ہوگی، اس لئے آپ انہیں مناسب طریقہ پر چلائیے۔ حالات ایسے نہیں کہ اتنی تیزی دکھائی جائے۔ والد صاحب نے ان سے تو کچھ نہیں کہا، لیکن دوسری صبح کو مجھے لیکر دیوبند روانہ ہو گئے۔ دیوبند میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں مجھے دارالعلوم میں داخل کرا دیا، میری تقریر کا سارا قصہ مہتمم صاحب کو سنا دیا، مہتمم صاحب نے اس بارے میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی، انہوں نے میری دیکھ بھال اور نگرانی کچھ اس انداز سے کی، جس کی وجہ سے میں انہیں اپنا پہلا سیاسی استاد مانتا ہوں، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند میرے جذبات کی بڑی قدر کرتے تھے، سیاسی رموز و نکات سمجھایا کرتے، اکثر پرانے بزرگوں کے سیاسی حالات ان سے سنے، مدرسہ میں مجھے اطمینان اور سکون قلب حاصل ہوا، مدرسہ میں اندرونی طور پر نہایت گہری سیاسی تنظیم اور تحریک چل رہی تھی، جو میرے جذبات کے عین مطابق تھی۔

حضرت مولانا علامہ انور شاہ کشمیری کی شفقت

تعلیم کے سلسلہ میں میرے اسباق حضرت شیخ الاسلام خاتم المحد ثین حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تھے، مجھے فہم قرآن اور علم حدیث میں جو کچھ بھی حاصل ہوا، وہ سب حضرت شاہ صاحب کی خاص توجہ اور فیضان محبت کا نتیجہ ہے، میں سبق کے بعد شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر رہتا، شاہ صاحب بڑی شفقت ومحبت سے مجھے خدمت کرنے کا موقعہ دیتے، مولانا محمد ادریس صاحب سکروڑوی حضرت شاہ صاحب کے خاص خدمت گذاروں میں تھے، ان سے بہت بے تکلفی اور دوستی ہوگئی، شام کی چائے پر مولانا محمد ادریس صاحب مجھے بھی شاہ صاحب کے ساتھ چائے پلاتے حضرت شاہ صاحب کو میری طالب علمی کے زمانے ہی سے مجھ سے اور میرے خاندان سے اس قدر انسیت پیدا ہوگئی کہ سیاسی زندگی میں سرگرم حصہ لینے کے زمانے میں جیل میں بھی شاہ صاحب مجھ سے ملنے تشریف لائے، اور سال میں ایک مرتبہ ضرور لدھیانہ میں میرے گھر تشریف لاتے اور کئی کئی دن قیام فرماتے ایک دفعہ میں جیل میں تھا، حضرت شاہ صاحب بنا کسی اطلاع کے گھر میں تشریف لے آئے، اور بیٹھک میں آ کر سامان رکھا اور خود ہی مولانا ادریس صاحب کے ساتھ بیٹھک کی صفائی فرمانے لگے، گھر میں میرے بچوں کو بھی علم نہ تھا، کہ حضرت شاہ صاحب تشریف لائے ہیں، اچانک میری چھوٹی بچی نے شاہ صاحب کو دیکھ لیا معذرت کی اور فوراً ہی بیٹھک کی ضروری صفائی کرنے لگی، شاہ صاحب فرمانے لگے، بیٹا یہ میرا گھر ہے، گھر والے خود ہی اپنے گھر کی صفائی کرتے ہیں، حضرت شاہ صاحب نے تحریک خلافت کے زمانے سے لے کر تحریک احرار کے زمانے تک میری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی سرپرستی فرمائی، قادیانیوں کے بارے میں جماعت احرار کا نقطۂ نظر اسلام میں ختم نبوؐت کی بنیادی اہمیت سمجھانے کے لئے سر ڈاکٹر اقبال سے ملاقات کی، ڈاکٹر اقبال کو اپنا ختم نبوؐت کا رسالہ پڑھ کر سنایا، اس کے فوراً بعد ہی ڈاکٹر اقبال نے کشمیری کمیٹی کی ممبری

سے استعفاء دے دیا، جس کے صدر مرزا بشیر الدین محمود قادیانی تھے، اس طرح ڈاکٹر اقبال نے مرزائیت کے چنگل سے نجات پائی، اور اسلام کے صحیح اعتقادات پر عقیدہ رکھنے کی ڈاکٹر صاحب کو توفیق حاصل ہوئی، اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے قادیانیوں کے خلاف مضامین لکھے اور اکثر ملاقاتوں میں ڈاکٹر اقبال کہا کرتے تھے کہ علم و فضل میں شاہ صاحب سے بڑا شخص میری نظر سے نہیں گذرا۔

امام الہند اور امیر شریعت

حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے انجمن خدام دین لاہور کے مشہور جلسے میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو ''امیر شریعت'' کا خطاب دیا، اور سید عطاء اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا اعلان فرمایا جب حضرت انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی طرف بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا تو سید عطاء اللہ شاہ نے رقت آمیز لہجہ میں کہا کہ مجھے اپنے ہاتھ پر بیعت ہونے کی اجازت دیجئے، مولانا ابوالکلام آزاد کو جمعیت علماء الہند کے ایک جلسہ میں حضرت شاہ صاحب نے ''امام الہند'' کے خطاب سے نوازا، علماء کی بھری مجلس میں فرمایا کہ میں مولانا آزاد کو امام الہند کے خطاب کا مستحق سمجھتا ہوں۔ مولانا ابوالکلام آزاد کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی مولانا آزاد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں دلی میں حاضر ہوئے تو اُن کے سامنے دوزانو با ادب ایک ایک گھنٹہ بیٹھے رہے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، جن کی خدمت میں حاضر ہونے کو مولانا آزاد اپنی سعادت سمجھتے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر ٹھہرے ہوئے تھے، حضرت شاہ صاحب نے مولانا آزاد سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا، مولانا آزاد کو معلوم ہوا تو فوراً ہی موٹر پر حضرت شاہ صاحب کی خدمت حاضر ہوگئے۔ دیوبند کے زمانہ تعلیم میں مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مولانا سراج احمد صاحب، میاں اصغر حسین صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حافظ مولانا احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، غرضیکہ سب ہی بزرگ اس وقت

حیات تھے، ہر نئے آنے والے کو دارالعلوم دیوبند کے مدرسہ میں نورانیت کا احساس ہوتا تھا، دارالعلوم کے طلبا کی اکثریت ایسی تھی، جو صاحب نسبت اور شب بیدار تھی، مدرسین دیوبند کی یہ خواہش رہتی تھی کہ جو طالب علم بھی دیوبند کے مدرسہ سے فارغ ہو تو وہ تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کا ایک نمونہ بن کر نکلے۔ اور جوہر آبدار کی طرح دنیا میں چمکے اور طلباء کی یہ خواہش شروع سے ہوتی تھی کہ وہ کتابی نصاب تعلیم کے ساتھ ساتھ بزرگوں کے فیضان محبت اور فیضان نظر کی برکتوں سے پوری روحانی غذا لے کر یہاں سے جائیں۔

سیاسی زندگی کا آغاز

۱۹۱۹ء کے شروع میں میں مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے ساتھ سیاسی جلسوں میں مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اجازت اور شاہ صاحب کے ارشاد پر جانے لگا، والد صاحب تک جب یہ خبر پہونچی تو وہ دیوبند تشریف لائے، اور حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نائب مہتمم دیوبند سے میرے سیاسی کام کرنے کے بارے میں بات کی، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ آپ کے صاحبزادے حبیب پھانسی سے تو بچ گئے ہیں، لیکن جیل سے نہیں بچ سکتے، اس لئے اب انہیں سیاسی کام سے روکنا مناسب نہیں اس طرح میری سیاسی زندگی کا آغاز ہوا۔

قید و بند

یوں بسر کی زندگی ہم نے اسیری میں جگرؔ
ہر طریقہ داخل آداب زنداں ہوگیا

۱۹۱۹ء میں جب گاندھی جی نے کانگریس کی تحریک ستیہ گرہ کا آغاز کیا، جلیان والا باغ میں ہزاروں ہندو مسلمان سکھ بے گناہ انگریزوں نے مشین گنوں سے بھون دیئے، تو ہندوستان میں کہرام مچ گیا انگریزوں کے خلاف ہندوستانیوں کے جذبات بھڑک اٹھے،

دسمبر ۱۹۱۹ء میں کانگریس کا اجلاس امرتسر میں ہوا، کانگریس کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء کا اجلاس بھی امرتسر ہی میں ہوا، کانگریس کے صدر پنڈت موتی لعل نہرو اور مسلم لیگ کے صدر حکیم اجمل خاں تھے، اس وقت کانگریس، مسلم لیگ جمعیۃ علماء ہند ایک ہی بات کہہ رہی تھیں، اور تینوں جماعتیں ایک ہی راستہ پر گامزن تھیں، مسلم لیگ کے اجلاس میں یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی، کہ مسلمان کو گائے کی قربانی بند کردینی چاہئے، علی برادران اس وقت جیل سے سیدھے امرتسر پہونچے، تمام جماعتوں اور امرتسر کے ہندو مسلمان، سکھ نے علی برادران کا شانداراور تاریخی استقبال کیا، امرتسر اتحاد کا مرکز بن گیا تھا، ہندوؤں ومسلمانوں اور سکھوں نے مل کر ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کا احترام کرنے کا عہد کیا، کانگریس پنڈال کے باہر پانچوں وقت ہزار ہا مسلمان نماز باجماعت پڑھتے تھے، ہندو سکھ رضا کار نماز کے انتظامات کرتے تھے، پنڈت مدن موہن مالویہ نے رات کو کانگریس کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا، آج مسلمانوں کو نماز باجماعت پڑھتے دیکھا ہے جس سے میرے دل ودماغ پر روحانی کیفیت طاری ہوگئی، میں اعلان کرتا ہوں کہ ہندو بھی ایک ہی خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

امرتسر کا اجلاس ہندو مسلمان سکھوں کے اتحاد کی ایسی تاریخ ہے جو پھر واپس نہیں آئی، شہیدان جلیان والا کے خون نے ہندوستانیوں کو ایک ایسے رنگ میں رنگ دیا تھا جس کے اثرات اس قدر جذبات انگیز تھے کہ انگریزی حکومت گھبرا گئی اور اچانک ویسرائے ہند نے ایک آرڈیننس جاری کیا کہ جو شخص خلافت کانگریس اور جمعیۃ علماء کا والنٹر بنے اس کو چھ ماہ قید اور جو والنٹیر بنائے اس کو تین سال کی قید ہوگی، گاندھی جی نے جب آرڈیننس کو پڑھا تو لوگوں کا بیان ہے کہ خوشی کے بارے ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے، گاندھی جی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خدا کا شکرادا کرو کہ انگریز نے ستیہ گرہ تحریک کے لئے خود ہی دروازہ کھول دیا، اس کے بعد گاندھی جی نے ملک میں سول نافرمانی کی تحریک کا اعلان کردیا۔ دسمبر ۱۹۲۱ء کے پہلے ہفتہ میں لالہ لاجپت رائے، آغا محمد، صفدر ملک، لال خاں، لالہ دلی چند لاہوری،

لاہور کانگریس کے دفتر سے گرفتار ہوئے، لاہور کے بعد لدھیانہ میں سول نافرمانی اور گرفتاریوں کا دور شروع ہوا۔

لدھیانہ میں سول نافرمانی کا آغاز

۸؍دسمبر ۱۹۲۱ء کو ماسٹر تاج الدین والنٹیر وں کے ایک بڑے جلوس کے ساتھ سول نافرمانی کرتے ہوئے بازار میں نکلے والنیٹر وں کے جتھے میں ہندو مسلمان وسکھ نوجوان شریک تھے، پنجاب بھر میں والنٹیر وں کا یہ پہلا بیچ تھا، جو گرفتار ہوا، دوسرے دن میرے چھوٹے بھائی مولانا محمد یحییٰ فاضل دیوبند دوسو رضا کاروں کو لے کر سول نافرمانی کرتے ہوئے گرفتار ہوئے تیسرے روز ۱۰؍دسمبر ۱۹۲۱ء کو لدھیانہ کے اندھوں کے مدرسہ کے نابینا حافظ قرآن طلباء نے اپنے استاد مولانا محمد یاسین صاحب کی سرکردگی میں سول نافرمانی کی، اندھوں کی سول نافرمانی کے اقدام نے سارے شہر میں آگ لگا دی اور حکومت خوفزدہ ہوگئی، حکومت نے صرف مولوی محمد یاسین صاحب کو گرفتار کیا، اندھوں کو تو کوتوالی لیجا کر چھوڑ دیا گیا۔ ۲۰؍دسمبر تک رضا کاروں کے جتھے اور ٹولیاں گرفتار ہوتی رہیں، دس روز میں لدھیانہ کے تین ہزار مسلمان ہندو سکھ رضا کار جیل میں پہونچ گئے، ۲۰؍دسمبر ۱۹۲۱ء کو برقعہ پوش عورتوں کا جلوس سول نافرمانی کے لئے نکلا، مگر پولیس عورتوں کو گرفتار کرنے کی ہمت نہ کرسکی۔

گرفتاری

یکم دسمبر ۱۹۲۱ء کو میری تقریر پر ہندو مسلمان سکھ مرد عورتیں بوڑھے بچے سب ہی سول نافرمانی کے لئے تیار ہوگئے، اپنی تقریر میں لوگوں کو دو نعرے لگانے کی تلقین کی، ہندو مسلم بھائی بھائی، انقلاب زندہ باد، جلسہ ختم ہوا، تو گورنمنٹ نے مجھے گرفتار کرنے کی کوشش کی، لیکن ۲۱؍دسمبر ۱۹۲۱ء تک مقامی حکومت کو موقعہ نہ ملا کہ وہ مجھے خاموشی سے گرفتار کرسکے جب انگریز ڈپٹی کمشنر اپنے منصوبے میں ناکام رہا، تو ۲۱؍دسمبر ۱۹۲۱ء کی رات کو شہر میں مسلح پولیس

لگادی گئی ، میرے گھر کی سڑک سے لے کر جیل تک دس دس قدم پر مسلح سپاہی کھڑے کردیئے گئے ،۲۲/دسمبر ۱۹۲۱ء کو صبح آٹھ بجے مسلح افسر میرے گھر آئے ، مجھے انہوں نے والینٹر بنے اور بنانے پر گرفتاری کا وارنٹ دکھایا میں بخوشی پولیس کے ساتھ باہر سڑک پر آیا پولیس افسران چاہتے تھے کہ مجھے بلا ہتھکڑی لگائے جیل لے جائیں، مگر میں نے بلا ہتھکڑی لگائے جیل جانے سے انکار کردیا، مجبوراً پولیس کو اپنی پالیسی کے خلاف ہتھکڑی لگانی پڑی، جب لوہے کی زنجیریں میرے ہاتھوں میں ڈالی گئیں تو مجھے بے حد خوشی حاصل ہوئی ، کہ سچائی اور آزادی کے راستے میں کام کرنے والے اہل حق اور سچائی کی آواز بلند کرنے والے مجاہدین کی سنت ادا کررہا ہوں۔

لدھیانہ جیل

مجھے ہتھکڑی لگانے پر شہر میں ایک جوش پھیل گیا، ضلع اور شہر کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں آن کی آن میں والنٹیر بن گئے ، پولیس کا رعب اور مسلح پولیس کی ہیبت مٹی میں مل گئی ، شہر کا شہر پولیس کے قابو سے باہر ہوگیا، ان حالات کو دیکھ کر میرا مقدمہ جیل ہی میں چلایا گیا، مجھے ایک ہندوستانی مجسٹریٹ نے چھ ماہ سخت قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی سزا دی، فیصلہ کے بعد مجسٹریٹ نے میرے کان میں کہا سزا بہت سخت ہے، اور بہت زیادہ ہے، لیکن ڈپٹی کمشنر کلٹن کا یہی حکم تھا، مجسٹریٹ کی یہ بات سن کر میں ہنسا، پہلی ہی مرحلے پر آزاد انسان کی خودداری اور غلام انسان کی مجبوری کا فلسفہ میری سمجھ میں آگیا، لدھیانہ جیل میں تین ہزار والینٹر اور شہر کے چار مشہور لیڈر مہاشہ گھسیٹا رام ، ماسٹر تاج الدین ، ڈاکٹر سید یٰسین میرے بھائی ، مولانا محمد یحییٰ صاحب پہنچ چکے تھے، والینٹروں میں میرے جاں نثار رضا کار جو سب سے کم عمر تھے، جیل میں آگئے تھے، ان میں سے ایک کا نام عبدالرحمٰن عرف ''مانا'' دوسرے حافظ مشتاق احمد صاحب، جیل میں روزانہ سوڈیڑھ سو رضا کار گرفتار ہوکر آرہے تھے، جیل کی تمام کوٹھریاں بھر گئی تھیں، جیل کے سپرنٹنڈنٹ کرنل دیوان حکومت رائے تھے ، انہوں نے

بڑی جرأت ودلیری اور شرافت کے ساتھ سیاسی قیدیوں کو جیل میں رکھا، کرنل صاحب کے حسن سلوک سے تمام سیاسی قیدیوں میں ان کی تعریف ہونے لگی کرنل صاحب کے متعلق میری یہ رائے ہے کہ ان کی جس قدر بھی تعریف کی جائے کم ہے۔

انبالہ جیل

۲۳؍جنوری ۱۹۲۲ء کو رات کے بارہ بجے مسٹر کلٹن ڈپٹی کمشنر لدھیانہ، اور مسٹر سگروگی ایس، پی لدھیانہ کرنل حکومت رائے کے ساتھ جیل میں میرے پاس آئے مجھے بتایا گیا کہ مجھے اور میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ ماسٹر تاج الدین کو اس وقت انبالہ جیل میں تبدیل کیا جائے گا، میرا اور میرے ساتھیوں کا سامان باندھا گیا، ہم اسٹیشن پر پہونچے ہی تھے کہ ہزاروں کی تعداد میں شہر کے لوگ اسٹیشن پر آگئے، اور انقلاب زندہ باد کے نعرے لگنے لگے، مسٹر سگروگی لوگوں کے ہجوم کو دیکھ کر گھبرا گئے، تین بار ڈنڈوں کے زور سے پلیٹ فارم خالی کرانے کی کوشش کی گئی، لیکن ہجوم پہلے سے بھی زیادہ تن کر کھڑا ہوگیا، مسٹر سگردگی دوڑتے ہوئے تین بار پلیٹ فارم پر گرے، آخر ساڑھے بارہ بجے کی گاڑی سے ہم انبالہ جیل روانہ ہوگئے۔

میانوالی جیل

انبالہ جیل میں ہم پہلے تین پولٹیکل قیدی پہنچے تھے لیکن دو ہی دن بعد ہم تینوں کا تبادلہ میانوالی جیل میں کردیا گیا، انبالہ سے میاں والی جیل کو روانہ ہوئے، تو لدھیانہ پہنچ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی، میرے والد صاحب کو ہمارے میاں والی کے تبادلہ کا علم ہوگیا تھا، چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ لالہ موسیٰ تک گئے، ۶۰؍جنوری ۱۹۲۲ء کی شام کو ہم لوگ میاں والی جیل پہنچے مجھے اور میرے ساتھیوں کو علیحدہ علیحدہ کوٹھریوں میں بند کردیا گیا، کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ کون کہاں پر ہے، بڑی رازداری سے کام لیا جارہا تھا، جیل کا ایک لانگری روٹی دینے اور صفائی کرنے والا آتا تھا، اس وقت اس جیل میں ستر کے قریب پولٹیکل قیدی آچکے تھے، مگر

ان کو ہماری کچھ خبر نہ تھی اور نہ مجھے ان کا کچھ پتہ تھا، میرے بھائی مولانا محمد یحییٰ اور ماسٹر تاج الدین کی بھی یہی حالت تھی، غرض ہم ایسی جگہ پر تھے کہ بقول غالبؔ

''ہم وہاں تھے جہاں سے ہم کو بھی خود ہماری خبر نہیں آتی''

دس دن کے بعد مجھے میرے بھائی اور ماسٹر تاج الدین کو سیاسی قیدیوں میں پہنچا دیا گیا، میاں والی جیل کو اس وقت پولیٹیکل قیدیوں کے لئے کالا پانی کا بدل بنایا گیا تھا، اس جیل کا جیلر بہت سخت تھا، اور سپرنٹنڈنٹ نرم، لیکن سپرڈنٹ اپنے ماتحت سے ڈرتا تھا، کیونکہ سپرڈنٹ صاحب کا اپنا لڑکا بھی ستیہ گرہ کر چکا تھا اور کسی دوسری جیل میں تھا، میاں والی جیل میں سب سے پہلے مولانا سید حبیب صاحب مدیر سیاست تشریف لائے تھے، اُن کے بعد لاہور اور دہلی کے رہنماء جن میں مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند اور محترم عبدالعزیز انصاری ایم، اے اس جیل میں آئے تھے، ان تینوں کو بھی پہلے علیحدہ رکھا گیا تھا، ان سے بان بٹنے کی مشقت لی جاتی تھی، کئی ماہ کے بعد میاں والی جیل میں قیدیوں کی تعداد ستر سے زیادہ ہوگئی، ان قیدیوں میں ڈاکٹر سیتا رام، لالہ شنکر لال دہلوی، لالہ دیش بندھو گپتا، مولانا عبداللہ چوڑی والے، پنڈت نیک رام شرما، پریتم سنگھ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا اختر علی خاں، ان کے چچا قادر بخش صاحب، مولوی لقاء اللہ، صوفی اقبال، عبدالحمید سالک، مولانا سراج الدین بھی آ گئے۔

تمام ہندو مسلمان سکھ قیدی بھائیوں کی طرح رہتے، میاں والی جیل ذی علم لوگوں کی مجلس علم وادب میں تبدیل ہوگئی، بقول عبدالمجید سالک، چند ہی ہفتوں میں میاں والی جیل سیاسی قیدیوں سے معمور ہوگئی رضا کاروں کے احاطے سے دل آویز صدائیں بلند ہونے لگیں، پڑھے لکھے قیدیوں نے مطالعہ کا مشغلہ اختیار کیا، نماز باجماعت ادا کی جاتی، صبح کی چائے کے بعد مولانا احمد سعید صاحب درس وتدریس میں مشغول ہوجاتے، مولانا داؤد انگریزی پڑھتے، سید مولانا حبیب عربی، اور لالہ دیش بندھو گپتا، میرے بھائی محمد یحییٰ صاحب سے فارسی پڑھتے، اس طرح جیل کی زندگی ہنسی خوشی تعلیم وتفریح میں گذرنے لگی،

یہاں ہندو اور مسلمانوں کے دو لنگر تھے، ایک میں مسلمانوں کے لئے اور دوسرے میں ہندوؤں کے لئے کھانا پکتا تھا، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد ہندو دوست اپنے لنگر کو چھوڑ کر ہمارے لنگر میں شامل ہوگئے، اس لئے کہ مسلمانوں کے لنگر میں انتظام بہت اچھا تھا، سبزی ودال بہت اچھی پکائی جاتی تھی، دہلی کے مولانا عبداللہ صاحب چوڑی والے ہمارے لنگر کے نگراں ومنتظم تھے، دہلی کا کھانا پکانے میں خاص ملکہ تھا، ان کے منتظم ہوتے ہی دستر خوان کا رنگ بدل گیا، انواع واقسام کے کھانے دستر خان پر آتے، اور سب نہایت مزے لے کر کھاتے تھے۔

دستر خوان کی وسعت پر شدہی سنگھٹن کا پروگرام

میاں والی جیل میں مسلمانوں کے دستر خوان کی وسعت اس میں ہندو نوجوان کی شمولیت، ہندو نوجوانوں کی آزاد خیالی چھوت چھات سے نفرت سوامی شردھانند کے لئے نا قابل برداشت ہوگئی، پہلے تو انہوں نے ہندوؤں کو مسلمانوں کے دستر خوان پر ساتھ کھانے سے منع کیا اور کہا کہ آپ لوگ مسلمان ہوتے جارہے ہیں، سوامی جی کے نزدیک ہندوؤں کا مسلمانوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانا، مسلمان ہونے کے برابر تھا، لیکن سوشل تعلقات کی وسعت کے خلاف سوا جی جی کی کوئی بات ہندو نوجوانوں نے نہ مانی، آخر انہوں نے اپنی ناکامی کے بعد میاں والی جیل میں یہ اعلان کردیا کہ اگر خلافت تحریک اور ستیہ گرہ کے یہی معنی ہیں کہ دستر خوان پر ہندو مسلمانوں کی تفریق ختم ہوجائے تو ایسی آزادی ہند کی تحریک سے میں متفق نہیں ہوں، چنانچہ انہوں نے سول نافرمانی کی تحریک سے اپنے اقدام کو واپس لے لیا اور نہایت ڈرامائی انداز سے میاں والی جیل سے رہا ہوگئے، جیل سے باہر جاتے ہی انہوں نے شدہی سنگھٹن کا اعلان کردیا، میاں والی جیل کے وسیع دستر خوان کی یہ تاریخی اہمیت ہے کہ اس دستر خوان سے ایک شخص نے ناراض ہوکر ایک ایسی تحریک کا آغاز کیا، جس کے نتائج خوفناک حد تک ہندوستان میں سامنے آئے۔

دھرم سالہ جیل

۱۸/ جون ۱۹۲۲ء کو حکومت پنجاب کی طرف سے اچانک یہ حکم میانوالی جیل میں پہونچا کہ حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو فوری دھرم سالہ جیل میں تبدیل کیا جائے، میں اس حکم سے بہت دل برداشتہ ہوا کہ اچھے ساتھیوں کی صحبت ومعیت علمی مجالس کی پر لطف بحثوں سے محروم ہوجاؤں گا، لیکن قہر درویش بجان درویش کے مطابق پابدست دگرے دست بدستے دگرے، مجبوراً دھرم سالہ جیل جانا پڑا، میاں والی جیل میں ساتھیوں سے جدا ہوتے وقت طبیعت پر انتہائی بوجھ اور سکوت طاری تھا، لیکن جب دھرم سالہ جیل میں پہنچا تو یہ دیکھ کر مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ مجھ سے پہلے پنجاب کے مشہور سیاسی رہنما لالہ لاجپت رائے وہاں موجود تھے، لالہ جی بوڑھے اور میں جوان تھا، میں نے اپنا اسلامی اور انسانی فرض سمجھ کر لالہ جی کی خدمت کی، لالہ جی جگرواؤں ضلع لدھیانہ کے رہنے والے تھے، اس وطنی تعلق اور میری خدمت سے لالہ جی میرے دوست بن گئے۔

لالہ جی سے پولٹیکل معاملات پر اکثر تبادلہ خیال ہوتا رہتا تھا، بہت سی مفید معلومات مجھے ان سے حاصل ہوئیں، لالہ صاحب میرے غور وفکر کی بڑی قدر کرتے تھے، میرے حافظہ کی داد دیتے، میری ذہانت وفطانت میرے علم وذوق وشوق کو دیکھ کر لالہ جی نے مجھ سے کئی بار کہا: مولوی صاحب آپ مجھ سے انگریزی پڑھ لیجئے، ملکی سیاست میں آگے چل کر انگریزی زبان آپ کی مدد کرے گی، میں جواب میں کہتا کہ مجھے انگریز اور انگریزی دونوں سے غلامی کی بو آتی ہے، میں بدبو سے دور ہی رہنا چاہتا ہوں، اس پر لالہ جی کہتے تمہارا جذبہ قابل قدر ہے، تمہارے یقین پر مجھے رشک آتا ہے، لالہ جی کے ساتھ رہتے ہوئے ابھی تین مہینے گذرے تھے کہ پھر مجھے دھرم سالہ جیل سے لدھیانہ جیل میں منتقل کردیا گیا، لالہ جی کا ساتھ چھوڑتے ہوئے بڑا رنج ہوا، جیل خانے کی مجبوریوں اور پابند قفس کے لئے حکومت کا ہر حکم حرف آخر ہوتا تھا، اس لئے میں پھر لدھیانہ آگیا۔

پھر لدھیانہ جیل میں

۱۷/اگست ۱۹۲۲ء کو میں لدھیانہ جیل پہنچا، ۱۸/اگست کی صبح کو مجھ سے ایک اور وارنٹ گرفتاری کی تعمیل کرائی گئی، اب میرے خلاف دفعہ ایک سو آٹھ کے تحت مقدمہ چلا گیا، اس مقدمہ کے دوران لدھیانہ کے انگریز ڈپٹی کمشنر مسٹر ہلٹن مجھ سے ملنے جیل میں تشریف لائے، اور مجھ سے کہا، مولانا صاحب شہر کے لوگ آپ سے ملنے کے بہت مشتاق ہیں، آپ شہر کے مذہبی رہنماء ہیں، اگر ضمانت پر رہا ہو جائیں تو آپ کے لئے بہت بہتر ہے، اس طرح لوگوں کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور دوسرے مقدمہ کی پیروی بھی آپ آسانی سے کر سکیں گے، میں انگریز کی چال بازی اور سیاست کو خوب سمجھ گیا، میں نے کہا میں حکومت کا باغی ہوں، میری ضمانت کون دے سکتا ہے، جبکہ حکومت مجھ سے اس قدر خائف ہے کہ اس نے مجھ پر ایک دوسرا مقدمہ طویل سزا دینے کے لئے قائم کیا کر دیا ہے، انگریز ڈپٹی کمشنر نے کہا، مولانا ضمانت کا کام تو میں کرائے دیتا ہوں، اس پر میں نے کہا کہ آپ کی شفقت اور مہربانی آپ کی سزا سے زیادہ سخت ہے، میں آپ کی نیت کو اچھی طرح جانتا ہوں آپ میرے سیاسی کردار کو داغدار کرنا چاہتے ہیں، اس لئے میں کسی شرط پر ضمانت پر رہا ہونے کے لئے تیار نہیں ہوں، انگریز ڈپٹی کمشنر کو میرے اس جواب سے بڑی مایوسی ہوئی، لیکن اس کے دل میں میری عزت پیدا ہوگئی، وہ حاکمانہ انداز کو چھوڑ کر دوستانہ انداز میں گفتگو کرنے لگا، اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر کوئی بات میرے لائق ہو تو مجھ سے فرمائیں میں نے کہا میری ایک ہی خواہش ہے کہ میرا مقدمہ جلد سے جلد ختم کر کے مجھے دوبارہ دھرم شالہ جیل میں بھیج دیا جائے چنانچہ ایک ہفتہ میں ڈپٹی کمشنر نے میرے مقدمہ کا فیصلہ کرا دیا مجھے مزید ایک سال قید کا حکم سنا کر دوبارہ دھرم شالہ جیل میں بھیج دیا گیا۔

لدھیانہ جیل کے آٹھ دس روزہ قیام میں مجھے معلوم ہوا کہ ایک ہزار روپیہ جرمانہ کی وصولی کے سلسلہ میں میرے گھر کا تمام سامان بیوی بچیوں کے معمولی زیورات کانوں کی

بالیاں تک اتروا کر گورنمنٹ نے ضبط کر لی ہیں تمام سامان کو لدھیانہ کوتوالی کے سامنے رکھ فروخت کیا گیا ہے، جس کے بعد میری بیوی اور بچے مجھ سے ملنے کے لئے آئے، ان کو سامان کی ضبطی یا زیورات کے چھن جانے کا کچھ ملال نہ تھا، بلکہ میری بیوی نے مجھ سے ذکر ہی نہ کیا کہ میرے گھر میں کتنا سامان رہ گیا ہے، حالانکہ حالت یہ تھی کہ پکے برتن تو کیا مٹی کے کچے برتن بھی پولیس اٹھالے گئی تھی، میں اپنی بیوی کی اس بہادری اور اطمینان کو دیکھ کر بہت خوش ہوا، میری بیوی میں یہ خاندانی اثر تھا، کیونکہ ان کے والد مولانا عبدالعزیز صاحب خود ۱۸۵۷ء کے خوفناک مصائب سے گذر چکے تھے، مال وجائداد کا ضبط ہونا گویا گھر کی ایک پرانی روایت تھی، اور گھر کے لوگ انگریزی ظلم وستم جھیلنے کے کچھ ایسے عادی ہو گئے تھے کہ تیغ آزمائی اور جگر آزمائی کا قصہ ہمارے خاندان کی داستانِ حیات بن گیا تھا۔

پھر دھرم سالہ جیل میں

میں ۲۰ / اگست ۱۹۲۲ء کو پھر دھرم سالہ جیل پہنچا، لالہ جی مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے، میرا بہت ہی پر جوش اور پر تپاک خیر مقدم کیا مجھے دھرم سالہ جیل میں آئے ہوئے ابھی کچھ ہی دن ہوئے تھے کہ شیخ حسام الدین بی، اے امرتسری انبالہ جیل سے دھرم سالہ جیل میں آ گئے، اب ہم تین قیدی ہو گئے تھے، اس لئے جیل کا وقت بڑے اطمینان سے گذرنے لگا۔

جون ۱۹۲۲ء سے لے کر جنوری ۱۹۲۳ء تک لالہ جی میں اور شیخ صاحب اکٹھے رہے، جنوری ۱۹۲۳ء کے آخیر میں لالہ جی کو لاہور جیل میں تبدیل کر دیا گیا اور شیخ حسام الدین رہا ہو گئے، لالہ جی پڑھنے لکھنے کے عادی تھے، اردو فارسی کے بڑے اچھے عالم تھے، ڈاکٹر اقبال کا اکثر کلام انہیں زبانی یاد تھا، ڈاکٹر اقبال کی نظم ''خضر راہ'' کو بہت شوق سے پڑھتے تھے، ۱۹۲۲ء کی انگریزی اصلاحات کا ذکر کرتے ہوئے لالہ جی کہا کرتے تھے، اقبال نے کیا خوب اس نظم میں اصلاحات کی حقیقت بیان کی ہے۔

جادۂ محمود کی تاثیر سے چشم ایاز
دیکھتی ہے، حلقۂ گردن میں ساز دلبری

مجلس و آئین و اصلاح و رعایات و حقوق

طب مغرب میں مزے میٹھے اثر خواب آوری

ہندوستان کے ہندو مسلم مسئلہ کا ذکر کرتے ہوئے خاص طور سے پنجابی مسلمانوں اور ہندوؤں کے تعلقات کے بارے میں ان کی یہ رائے تھی کہ مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور ہندوؤں کی اقتصادی برتری ملک میں ہندو مسلمان اتحاد کو زیادہ دیر چلنے نہ دے گی، چنانچہ ملتان میں ۱۹۲۲ء میں محرم کے فساد پر لالہ جی نے کہا کہ یہ ہندو مسلم فساد نہیں، بلکہ سرمایہ داری اور غریبی میں پہلی ٹکر ہوئی ہے، ہندو مسلمانوں کی اقتصادی جنگ کے بارے میں ۱۹۲۲ء میں ان کی یہ رائے تھی کہ اگر پنجاب کے ہندوں نے سود لینا نہ چھوڑا، گاؤں میں لڑکیوں کو رہن رکھنے سے باز نہ آئے، تجارت کے لئے مسلمانوں کو اپنی منڈیوں میں جگہ نہ دی تو پنجاب کے ہندوؤں کو ایک نہ ایک دن اس قدر نقصان اٹھانا پڑے گا جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے، جیل سے باہر نکلتے ہی لالہ جی نے پنجاب کے ہندوؤں کو اقتصادی بنیادوں پر بہت کچھ سمجھایا لیکن اس وقت ان کی بات کسی نے نہ مانی۔

۱۶؍اگست ۱۹۲۳ء کو میں اپنی تمام قید ختم کر کے رہا ہوا، جب لدھیانہ پہنچا تو گھر کی تباہی دروازے سے ہی نظر آرہی تھی، گھر کی کچی چہار دیواری گر چکی تھی، میری اہلیہ نے رسّی باندھ کر اس پر ٹاٹ کے پردے ڈال دیئے تھے، آخر آہستہ آہستہ میں نے گھر کا کچھ سامان درست کیا، اس طرح پھر گھر کی کچھ زندگی چلنے لگی۔

ہندوستان کے شاید ہی کسی لیڈر نے انگریز سیاست کے خلاف وہ مورچہ بندی کی ہو، جو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کی، انگریز حکومت اور اس کے حلیفوں نے مولانا کو جتنا بڑا باغی، جتنا بڑا غدار سمجھا شاید مہاتما گاندھی کو بھی نہ سمجھا ہو۔

کچھ ایسے بھی اٹھ جائیں گے محفل سے کہ جن کو
تم ڈھونڈنے نکلو گے مگر پا نہ سکو گے

عبدالباقیؒ

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

............از مولانا عبدالباقی............

مرتب شدہ مضامین محترم مولانا عبدالباقی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دکھانے کا دہلی میں اتفاق ہوا، مضامین دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مجھ سے وعدہ فرمایا، کہ اس پر تعارف میں خود لکھوں گا، دوسرے روز ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مندرجہ ذیل تعارف کی کاپی مجھے عنایت فرمائی۔
اتفاق کی بات کہ آج عبدالباقی صاحب بھی اس دنیا میں نہیں ہیں، وہ ہندوستان کے ان علمی اور صحافی لوگوں میں سے تھے کہ جن کو رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سے عشق تھا، عبدالباقی صاحب کے انتقال سے ہمیں ایک اور صدمہ ہوا، کہ خاندان حبیب کا ایک بہی خواہ اٹھ گیا خدا غریق رحمت کرے، اوران کی خالی جگہ کو عبدالباقی جیسے مخلص صاحب علم انسان سے پُر فرماوے۔

رحمانی

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم حب وطن کے معاملہ میں شیر تھے، اور حب ملت کے معاملہ میں بھی شیر تھے، شیر بے دھڑک حملے کرتا ہے اور آس پاس کے خطروں کو بھی سونگھتا ہے، لدھیانہ (پنجاب) ان کا وطن تھا، اور دہلی ان کا دوسرا وطن تھا، ان کی پہلی تقریر جب دہلی دروازے (لاہور) کے باغ میں سنی، تو خیال ہوا کہ وہ صرف زبان اور صرف پھیپھڑوں سے کام لیتے ہیں، لیکن کم وبیش تیس سال کے تجربے گواہ ہیں کہ ان کی زبان سے زیادہ ان کا دماغ کام کرتا تھا، اواخر عمر میں تو شاید ان کی زبان ساکت تھی اور صرف دماغ کام

کرتا تھا، لدھیانہ کے جید علماء کے خاندان میں وہ پیدا ہوئے دارالعلوم دیوبند سے روحانی وابستگی رہی، مجلس احرار اسلام کو جنم دیا، اور کانگریس کو مجاہد حریت کا بہت بڑا محاذ سمجھا، اس لئے ان کی پوری زندگی کی تاریخ علماء لدھیانہ، دارالعلوم دیوبند، مجلس احرار اسلام اور کانگرس کی تاریخ ہے، مسلمانوں میں ان ایسے Tactician یعنی سیاست کے پینترے بازیوں کو سمجھنے والے ہم نے کم ہی دیکھے، بساط سیاست پر سوچ سمجھ کر چالیں چلتے تھے۔

ابتدا میں مولانا ظفر علی خان کی صحافت وسیاست کے قریب آئے اس کے بعد قیادت کا منصب خود بخود مل گیا، سیاسی سفر کا ایک مقام ایسا بھی آیا کہ انہیں اور ان کے دوستوں کو مجلس احرار اسلام قائم کرنا پڑی، سیاسی سفر کا یہ مقام وہ تھا کہ ڈاکٹر شیخ محمد عالم مرحوم آل انڈیا کانگرس کی مجلس عاملہ کے رکن نامزد کردئے گئے تو مولانا اور ان کے دوستوں نے سیاست کا رخ کسی حد تک موڑ دیا، اس مسئلہ کے علاوہ بھی کئی مسائل تھے، جن کا تقاضا تھا کہ ایک نئی رہنمائی کی جائے۔

مولانا کے احراری رفقاء میں خاص طور پر قابل ذکر مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم، چوہدری افضل حق مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر، شیخ حسام الدین وغیرہ تھے، چوہدری افضل حق مرحوم کو مجلس کا دماغ کہتے تھے، لیکن اس دماغ کو فکر اور خیال مولانا حبیب الرحمٰن سے ملتا تھا۔

مجلس احرار وطن دوستی اور ملت دوستی کا ایک صحت بخش مرکب تھی، لیکن اسے تلوار کی دھار پر چلنا پڑتا تھا، یہ راہ کبھی کبھی فرقہ پرستی کو بھی چھو سکتی تھی، لیکن ہمیں یقین ہے کہ فرقہ پرستی سے مجلس احرار کو محفوظ رکھنے میں مولانا حبیب الرحمٰن نے جو رول ادا کیا کسی احراری لیڈر نے ادا نہیں کیا، مولانا اور ان کے ساتھیوں کا ایک کارنامہ یہ بھی تھا کہ انہوں نے ۱۹۳۰ء میں تحریک کشمیر شروع کی، اور ساٹھ ہزار مسلمانوں کو جیلوں میں بھیج دیا اس تحریک کے سلسلہ میں کشمیر اس کے لیڈروں اور کارکنوں کا انہیں کافی تجربہ ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا حبیب الرحمٰن شیخ عبداللہ، بخشی غلام محمد، صادق صاحب اور میر واعظ (جواب پاکستان میں ہیں) کو جتنا پہچانتے تھے شاید ہی کوئی پہچانتا ہو۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے پہلو میں بیقرار دل تھا جو ہمیشہ مسلمانوں کے ملی مسائل کے لئے تڑپتا رہا، انہوں نے سیاسی زندگی کا آغاز خلافت تحریک سے کیا، اور جس پامردی سے انہوں نے خلافت تحریک میں خدمات انجام دی ہیں وہ تاریخ میں ہمیشہ نا قابل فراموش رہیں گی۔

متحدہ پنجاب میں دریدہ دہن شاتم رسول کے خلاف پہلی آواز مولانا حبیب الرحمٰن نے بلند کی، اور ناموس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس مرد مجاہد نے ہر مصیبت کا خیر مقدم کیا، انہیں حب نبی میں پابند سلاسل کیا گیا، جسے آپ نے خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اس جیل خانے کو اپنے لئے ذریعہ نجات سمجھا۔

تقسیم ملک سے پہلے ان بٹا پنجاب انگریز حکومت کا چہیتا تھا، اسے چونکہ بہادر سپاہی جنگ کے لئے پنجاب سے ملتے تھے، اس لئے بہت سے خاندانوں کو اس نے دودھ پلا پلا کے پالا تھا، اور ان افراد کی لیڈری کو پہلوان بنایا تھا، جو اس کے وفادار تھے۔

پنجاب کانگرس میں چونکہ مسلمان فعال نہ تھے، اس لئے انگریز حکومت اور اس کے پنجابی چہیتوں کا مقابلہ کرنا مجلس احرار کا کام تھا، مقابلہ کی یہ جنگ جس طرح مولانا حبیب الرحمٰن اور مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری نے لڑی وہ انہیں کا حصہ تھی۔

ہندوستان کے شاید ہی کسی لیڈر نے انگریز سیاست کے خلاف وہ مورچہ بندی کی ہو، جو مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کی، انگریز حکومت اور اس کے پنجابی حلیفوں نے مولانا کو جتنا بڑا باغی، جتنا بڑا غدار سمجھا، شاید مہاتما گاندھی کو بھی نہ سمجھا ہو، ایک موقعہ ایسا بھی آیا کہ ہندوستان کے تمام اسیران سیاسی رہا کر دیئے گئے مگر مولانا سے انگریزوں کو اتنا بڑا خطرہ تھا کہ انہیں رہا نہیں کیا گیا، اور رہا بھی کیا تو بادل نخواستہ کیا۔

ہندوستان کے صف اول کے لیڈروں سے مولانا کے گہرے رابطے تھے، مولانا ابوالکلام آزاد کو وہ عزیز تھے۔

گاندھی جی ان کے خطوط پر دیر تک غور وفکر کرتے اور اپنے سکریٹریوں کو ہدایت کرتے

کہ جوابی خط میں کوئی نامناسب لفظ نہ آئے، ورنہ حبیب الرحمٰن ایک ایک لفظ پر مجھ سے برسوں لڑیں گے، مولانا کی حق گوئی سے گاندھی جی کے ایک سکریٹری جلنے لگے تھے، اور کئی بار انہوں نے کوشش فرمائی کہ گاندھی جی اور مولانا حبیب الرحمٰن کی ملاقات نہ ہو۔

مسٹر محمد علی جناح کو مولانا حبیب الرحمٰن سے اور مولانا حبیب الرحمٰن کو مسٹر محمد علی جناح سے سیاسی اختلاف تھا، مگر جناح صاحب بھی اختلاف کے باوجود مولانا کی رائے کی قدر کرتے تھے۔

بہت دنوں کی بات ہے کہ مولانا لاہور کے ممتاز ایڈیٹروں سے گفتگو کر رہے تھے ایک ایڈیٹر صاحب نے ان کی انگریز دشمنی پر طنز فرمایا، انہوں نے جواب دیا کہ انگریز کی دولت مجھے دلوادو تو میں تمہاری طرح انگریز کی مداحی کروں گا، ایڈیٹر صاحب لاجواب ہو گئے ایک دوسرے ایڈیٹر صاحب نے (جو ہندوستان میں آج بھی موجود ہیں) مولانا سے پوچھا کہ کیا ہندوستان میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جسے انگریز کی دولت نہیں خرید سکتی۔ جواب دیا:

> ”کہ صرف تین ہیں، ایک مولانا ابوالکلام آزاد جو اصول پسند ہیں، اس لئے انگریز ان کی قیمت ادا نہیں کرسکتا، دوسرے مسٹر جناح (اس زمانہ میں مسٹر جناح کا بہت زیادہ نام نہ تھا) جو اتنے شاندار ہیں کہ انگریز کو خاطر میں نہیں لاسکتے، تیسرے گاندھی جی جن کی دیانت کی قیمت انگریز سامراج کا خزانہ ادا نہیں کرسکتا۔“

مولانا بہت اچھے مقرر تھے، تقریر کرتے تو مجمع پر چھا جاتے لیکن بڑی بات یہ تھی کہ وہ دانشوروں کی مجلس میں گفتگو کرتے تو محسوس ہوتا کہ یہ عوامی جلسوں کے حبیب الرحمٰن نہیں بلکہ سراپا دانش و آگہی ہیں۔

مولانا کا وطن لدھیانہ تھا، اس لئے تقسیم ملک کے بعد اس زمانہ کے مشرقی پنجاب ہی میں رہنا چاہتے تھے، لیکن لدھیانہ کے واقعات ایسے تھے کہ وہ ایک دفعہ بہ درجہ مجبوری پاکستان چلے گئے، وہاں ان کے رفقا تھے ان کے خاندان کے ممتاز افراد تھے، لدھیانہ کے

کانگرسی لیڈر بھی تھے، لیکن کچھ بات ہی ایسی تھی کہ مولانا تقسیم ملک کے بعد دہلی آئے اور کوچہ رحمان (دہلی) میں ایک ایسی مسند لگائی جسے ہم تو رشد و ہدایت کی مسند کہتے ہیں۔

تقسیم ملک کے بعد دہلی میں بعض لیڈروں سے انہیں اختلاف بھی تھا، لیکن اختلاف کے باوجود ان کے انداز میں غیر معمولی تھا، انہوں نے ہندی مسلمانوں کو ہمیشہ صحیح مشورے دیئے اور سیدھی راہ دکھانے کی کوشش کی۔

عمر نے وفا نہ کی ورنہ وہ مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد ان کی جانشینی کا حق ادا کرتے ہندوستان کی تقسیم نہ ہوتی تو مولانا مرکزی وزارت کے مشیر خصوصی ہوتے، ارباب بست وکشاد کی محفل کی رونق ہوتے، لیکن حالات کی ستم ظریفی تھی کہ ہندوستان جب آزاد ہوا، تو ہندو اور مسلمانوں کا سوال ایک پہاڑ بن کر کھڑا ہوگیا، اور اس پہاڑ کی اوٹ میں کوچہ رحمان کے ایک مکان ہی میں مولانا آباد ہو سکتے تھے۔

اس وقت ہمارے سامنے مولانا حبیب الرحمٰن کے علمی مذہبی اور تاریخی مضامین کا مجموعہ موجود ہے، جو انہوں نے زندگی کے مختلف ایام میں لکھے، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ دینی و تاریخی مسائل پر انہیں پورا عبور حاصل تھا، اور قرآن و حدیث پر ان کی گہری نظر تھی۔

سیاست کے متعلق تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ انہوں نے کتنی صاف بات کہی جو ۱۹۴۷ء کے بعد نہیں کہی گئی، اس لئے ان کی ذہنی دیانت کے بارے میں تو دورائیں ہو ہی نہیں سکتی۔

خدا کا شکر ہے کہ ان کے صاحبزادے مولانا محمد احمد رحمانی نے پوری محنت اور جانفشانی کے ساتھ اپنے والد مولانا حبیب الرحمٰن کے علمی سرمایہ کو جمع کر کے کتابی شکل دی جس سے خصوصاً مولانا مرحوم کے عقیدت مندوں کو اور عموماً ہر علمی اور تاریخ لکھنے والے اصحاب کو زبردست فائدہ ہوگا۔

مولانا محمد احمد رحمانی: مولانا حبیب الرحمٰن کی علمی یادگار ہیں، ان کی جواں ہمتی اور سعادت مندانہ طبیعت سے امید کی جاتی ہے کہ یہ اس عظیم مشن کو جس کی

منزلیں مولانا حبیب الرحمٰن کے انتقال سے گرگئی ہیں انہیں پایہ تکمیل تک پہنچا کر دم لیں گے۔

مجھے مولانا محمد احمد رحمانی کی کارکردگی اور جوش عمل کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوتی ہے اپنے آبائی وطن لدھیانہ میں مقیم ہیں، جہاں عوام وخواص ان کے گرویدہ نظر آتے ہیں، ہر آنے والے اور ملنے والے میں اپنائیت اوروفاداری کی روح پھونک دیتے ہیں ان کی انتھک کوشش اور محنت سے مولانا حبیب الرحمٰن کا مشن جاری اور تروتازہ ہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن کی تخلیقات کو انہوں نے اپنے شعور سے مزین کر کے ایک نئی حیات دی ہے۔

جامع مسجد لدھیانہ

مولانا محمد احمد رحمانی لدھیانوی کی وجہ سے پنجاب بھر میں ایک روحانی اور علمی مرکز کی جگہ اختیار کرگئی ہے جہاں خاندان حبیب کے اس چشم و چراغ کے پاس ہر طبقہ وخیال کے لوگ آتے ہیں اوران کی مروت، خلوص اوران کے علم وعمل اور شخصیت سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔

مولانا محمد احمد رحمانی کا شماراس وقت پنجاب کے علمی اور صحافی طبقہ میں بڑی اہمیت کے ساتھ کیا جاتا ہے، ان کے مضامین اخباروں، رسالوں میں چھپتے ہیں اور ان کی تقاریر ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہوتی ہیں۔ وہ علماء لدھیانہ کے علمی خاندان کے صحیح وارث ہیں ہمیں یقین ہے کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے پیش نظر ڈیڑھ سوسالہ جو عظیم خاندانی روایات تھیں وہ مولانا محمد احمد رحمانی کے پیش نظر ہوں گی، تاکہ ان کے علم وعمل سے ملک اورقوم کو رہنمائی ملتی رہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن کے سبھی صاحبزادگان قوم اور سماج کی خدمت کررہے ہیں، قابل سیاسی اور علمی شعور رکھنے کے باوجود انہیں لوک سبھا اور اسمبلیوں کے ٹکٹ نہیں ملے، اس کے باوجود یہ سب اپنے والد محترم کے نقش قدم پر بلاغرض ملک کی خدمت میں مصروف کار ہیں،

اور خود سے کسی بدلہ کے خواہشمند بھی نہیں، پوری خودداری کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں اور خوشی کی بات یہ ہے کہ سہاروں کے محتاج نہیں ہیں۔ یہ حال ہے اس خاندان کا جو کم وبیش چار پشتوں سے انگریز کا باغی رہا، اور جس کی ایک مستقل تاریخ ہے جس کے فتوؤں نے ہندوستان کی مشترک زندگی کو توانائی بخشی۔۔۔۔۔۔۔۔۔عبدالباقی

نوٹ: حضرت مولانا عبدالباقی رحمتہ اللہ علیہ نے لدھیانہ جامع مسجد اور مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی مرحوم کی کارگذاری پر یہ مضمون ۱۹۵۹ء میں تحریر کیا تھا، مولانا مرحوم کی نیک خواہشات کے مطابق آج بفضل باری تعالیٰ لدھیانہ کی یہ تاریخی جامع مسجد شیر اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی قومی صدر مجلس احرار اسلام ہند و شاہی امام پنجاب کی قیادت میں پنجاب بھر کے مسلمانوں کا مرکز بن چکی ہے، پنجاب سے اٹھنے والی تمام دینی تحریکیں اسی مسجد سے شروع ہوتی ہیں، صوبہ بھر میں اس جامع مسجد کے توسط سے کئی سو بند پڑی مساجد آباد ہو چکی ہیں، سینکڑوں مدارس کا سنگ بنیاد رکھا جا چکا ہے اور سماجی کاموں میں بھی اہل وطن ہندو سکھ بھائیوں کے ساتھ خدمت کی بھی ایک سنہری تاریخ یہاں سے مرتب ہو رہی ہے، قابل ذکر ہے کہ شیر اسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی، حضرت مولانا مفتی محمد احمد رحمانی لدھیانوی کے بڑے صاحبزادے ہیں اور اپنے دادا مرحوم رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کے ہم نام ہیں۔ (عثمان)

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

(علامہ اقبالؒ)

علم خضری

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اپنی خود نوشت یادداشتوں میں تحریر فرمایا ہے کہ خاندان کے مورث اعلیٰ کو علم دین حضرت خضر علیہ السلام کی توجہ سے حاصل ہوا تھا۔ نسبت خضری کے اثرات کی وجہ سے علم دین سات پشتوں سے خاندان میں چلا آرہا ہے۔ اب ساتویں پشت میں چوبیس عالم آٹھ حافظ قرآن، تین قاری موجود ہیں، بقول مولانا سید سلیمان ندوی نسبت خضری ہی کا اثر ہے کہ علماء لدھیانہ کے خاندان میں علم دین نسلاً بعد نسل چلا آرہا ہے، ورنہ علم کسی خاندان کی میراث نہیں۔ تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ علم دو سے زیادہ نسلوں میں آگے نہیں چلتا۔ لیکن پشت در پشت یہ علم دین کی وراثت کا سلسلہ جو میں آج مولانا حبیب الرحمٰن کے خاندان میں دیکھ رہا ہوں اس کی مثال آج کے دور میں کسی اور خاندان میں نہیں ملتی۔ یہ دیکھ کر اور بھی خوشی ہوئی کہ مولانا حبیب الرحمٰن کے لڑکے اور دوسرے خاندان کے نوجوان دیوبند و سہارنپور میں علم دین حاصل کر رہے ہیں، گویا علم دین کا یہ سلسلہ آٹھویں پشت میں داخل ہو گیا۔

تقریر مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم
دسمبر ۱۹۴۸ء شاہی مسجد لدھیانہ

رئیس الاحرار

......﴿حافظ انصر﴾......

تیری حیات خودی کا ہے آئنہ خانہ
نفس نفس تیرا ہے حریت کا افسانہ

تیرے ضمیر پہ ہیں اب بھی اہل ضمیر
تیرے ارادوں سے لرزاں ہیں طوق وزنجیر

تیری نگاہ نے ہم پر یہ راز کھول دیا
کہ دب تو سکتا ہے احساس مٹ نہیں سکتا

ہے تیرے سامنے ختم حادثوں کی پیشانی
ہے تجھ سے لرزاں براندام قصرِ سلطانی

بہار گلشن اسلام کا شباب ہے تو
ہر آسمان سیاست کا آفتاب ہے تو

تمام ملک تیری زیست کا ثنا خواں ہے
ہے جس سے سب کو محبت تو وہ انسان ہے

تیری زباں پہ رہی ہے، ہمیشہ حق کی صدا
فرنگی جور بھی تجھ کو کبھی دبا نہ سکا

ہرا ہوا ہے تیرے خون سے سبزار حق وطن
تیری حیات کی ممنون ہے بہار وطن

خدا کرے رہے زندہ سدا پیام تیرا
ہر ایک دور میں چلتا رہے یہ جام تیرا

پانچ اپریل ۱۹۶۱ء کو حافظ انصر صاحب ہندو پاک مشاعرہ میں شرکت کے لئے لدھیانہ آئے رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسو آگئے اور تھوڑی دیر بعد حافظ صاحب نے مندرجہ بالا اشعار رئیس الاحرار کی شان میں کہے۔

تاریخ کے ہر دور میں

............﴿از: مولانا عزیز الرحمٰن﴾............

تاریخ کے ہر دور میں بعض شخصیتیں اس طرح ابھر کر سامنے آتی ہیں جن پر ساری قومی تعمیر کا انحصار ہوتا ہے، تاریخ اسلام میں امام ابوحنیفہ امام غزالی، امام ابن تیمیہ اور ابن خلدون نے ایک ایسا مقام پیدا کیا جس کی دنیا آج تک معترف ہے، اور حقائق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ تاریخ اسلام میں اگر یہ شخصیتیں نہ ابھرتیں تو اسلامی دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، چودہویں صدی کے آخر تک اسلامی زندگی کے خدوخال اور اسلامی کردار کی تاریخ اب نقش کالحجر کی طرح ان مٹ ہے۔

وہ ان بزرگوں کی فکری اور علمی کوششوں کا نتیجہ ہے بقول حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے دینی اور سیاسی مزاج اور ضابطہ اخلاق کا مرتب شدہ نقشہ ہمارے سامنے ہے یہ علماء سلف کی کوششوں کا نتیجہ ہے ہر صدی میں اسلام کے مجددین پیدا ہوئے، ان بزرگوں حق اور کلمہ حق کو بلند کرنے کے لئے قلم تلوار کی، وہ پوری آزمائشوں میں سے ہو کر گزرے، امام ابوحنیفہ کی شہادت اس بات کی دلیل ہے کہ کلیسائی نظام کے مقابلے میں علماء حق شہنشاہوں سے ٹکرائے، اور یہ وہ زمانہ تھا جب کلیسا کے پادری بادشاہوں کی جوتیاں چاٹتے تھے یورپ میں ظلم کو جائز قرار دیتے تھے، لیکن امام ابوحنیفہ سے لیکر حضرت شاہ ولی اللہ تک تین ہزار علماء اور محدثین نے اعلائے کلمۃ الحق پر اپنی جانیں قربان کیں لیکن زندگی کے اعتقادات اور کردار میں ایک حرف بھی کبھی کم نہ کیا۔

ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ کی جماعت نے جس استقامت تدبر اور تفکر سے کام کیا، وہ اپنی جگہ دنیا کے لئے قابل تقلید مثال ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کا خاندان مجاہدین کے سلسلے کی ایک ایسی کڑی ہے جس کڑی کو شمار کئے بغیر ہندوستان کی اسلامی اور ملکی جدوجہد مکمل نہیں ہوتی، رئیس الاحرار کے افکار ایک ایسے انقلابی کے افکار تھے، جو ہر حیثیت میں نطشے اور گوئیے کی شاعری پر سبقت لے گئے، انقلاب فرانس کے بانی روسو اور رالٹیر اپنے زمانے کے مشہور باغیوں میں تھے لیکن بغاوت کا جو انداز مولانا حبیب الرحمٰن نے پھیلایا وہ اپنی جگہ منفرد کردار ہے، ہندوستان میں اہل حق کی جماعت میں بہت سی شخصیتیں ابھریں ان کا رنگ اور جدوجہد مثالی تھی، ہندوؤں میں برادران وطن کی جماعت میں بہت سے افراد سامنے آئے اوران لوگوں نے آزادی کی جدوجہد میں ایک معیار قائم کیا، میری مراد پنڈت جواہر لال نہرو اور پنڈت موتی لال نہرو اور مہاتما گاندھی سے ہے۔

گاندھی جی نے بھی اپنی رہنمائی کا فرض ادا کیا، مولانا ابوالکلام آزادؔ علمی دنیا میں ایک انفرادی حیثیت رکھتے تھے، لیکن افکار و کردار کی جو جھلک رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن میں پائی گئی وہ ہندوستان کی کسی بھی شخصیت میں نمودار نہ ہوئی سیاسی زندگی میں مولانا حبیب الرحمٰن نے گاندھی جی سے بیسیوں دفعہ گفتگو کی اور ہر مرتبہ گاندھی جی کو مولانا کے خیالات اوران کی حکمت عملی اور تدبر سے اتفاق کرنا پڑا۔

مولانا ابوالکلام آزادؔ نے ۱۹۴۷ء کے بعد جمعیۃ العلماء کے دفتر میں پہلی نمائندہ کانفرنس میں ایک ہزار ڈیلیگیٹوں کے سامنے یہ اعلان کیا کہ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن نے جس طرح ملک کی سیاست کا تجزیہ کیا، اور رہنمائی کی ہے اس کے بعد کوئی ضرورت نہیں رہ جاتی کہ میں اب کچھ مزید عرض کروں، مولانا حبیب الرحمٰن کی رہنمائی پر غور کریں اور جو تجویزیں انہوں نے آپ کے سامنے رکھیں ان کی تائید کی جائے، مولانا ابوالکلام آزاد کے اس اعتراف نے بڑے بڑے لوگوں کو چونکا دیا، اور مولانا حبیب الرحمٰن کی شخصیت یوں ابھر کر سامنے آئی کہ معلوم ہوتا تھا کہ اس زمانہ کا والی ٹیر اور روسو یہی شخص ہے امام ابوحنیفہ اور شاہ ولی اللہ کا درجہ آج اسے ہی دیا گیا۔

مولانا ابوالکلام آزاد جیسے انانیت پسند انسان کا یہ اعتراف تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں جس شخص نے کبھی گاندھی جی کے افکار کو قبول نہ کیا ہو، اور جو اپنے افکار کی تجلی میں کوہ طور کا درجہ رکھتا ہو، اسی کا کسی اہم مجلس میں اس طرح اعتراف اور اقرار مولانا حبیب الرحمٰن کی فکری رہنمائی کو ایک ایسا درجہ عطا کرتا ہے، جو ہندوستان میں کسی دوسرے کو حاصل نہیں ہوا، غور کیجئے جو شخص اپنی زندگی میں صدارت کے زمانے میں گاندھی جی کے مکان تک نہ گیا ہو جس کی قلمی کاوشوں کا ہر فرد معترف ہو، وہ ایک ڈرامائی انداز میں جمعیۃ العلماء ہند کے دفتر سے اترا اور سیدھا مولانا حبیب الرحمٰن کے مکان کوچہ رحمان دہلی میں پہنچ گیا۔

مولانا آزاد نے یہ بات ثابت کر دی کہ افکار کا جو خزانہ مولانا حبیب الرحمٰن کے پاس ہے وہ ہندوستان کے دوسرے آدمی کو نصیب نہیں، افکار کی تخلیق انسانی زندگی کے بس کی بات نہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے جسے چاہے دے جسے چاہے نہ دے ؎
یہ منصب بلند ملا جس کو مل گیا۔

غزالی کا درجہ دنیائے اسلام میں اس لئے بڑا نہیں کہ وہ عربی کے ادیب یا خطیب تھے، بلکہ اس لئے ان کا درجہ بہت بڑا ہے، کہ انہوں نے فکری رہنمائی میں کلیسا کی زندگی کو شکست دی، اور یونانیوں کو ان کے فلسفے کا جواب دیا، جس کے بعد فلسفیوں سے کوئی جواب بن نہ پڑا۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی اس دور میں غزالی کا دماغ اور ابن خلدون کی زبان لے کر پیدا ہوئے تھے، پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے ایک خط میں اس بات کا اقرار کیا کہ وہ اپنے افکار میں ایک منفرد حیثیت کے مالک تھے، وہ بہت ہی سوچ سمجھ کر کسی بات کا فیصلہ کرتے، لیکن جب فیصلہ کر لیتے تو دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو ان کے فیصلے کو بدل دیتی۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد ۱۲؍سالہ زندگی میں کوئی ہفتہ ہی ایسا گذرا ہو جبکہ مولانا آزاد اور جواہر لال کا ٹیلیفون نہ آتا ہو، کہ ضروری مشورہ کرنا ہے تشریف لائیے۔

مرحوم رفیع احمد قدوائی رات کو ۲؍بجے کار یں بھیج کر اس لئے بلواتے تھے کہ وہ ان

سے رہنمائی حاصل کرنے کے آرزو مند تھے، ملکی اور بین الاقوامی مسائل پر وہ اپنی رائے کا اسی طرح اظہار کرتے تھے، جیسے برطانوی پارلیمنٹ میں کبھی لارڈ برق بولا کرتے تھے۔

انگریزی نہ جاننے کے باجود انگریزی سیاست کے گہرے رازوں سے وہ اس طرح واقف تھے جیسے گھر کا بھیدی ہو، مولانا حبیب الرحمٰن کے سیاسی افکار کی خوبی یہ تھی کہ اس میں تعصب اور تشدد کو کہیں دخل نہ تھا، یورپ کی نئی سائنسی ترقی اور برطانوی تدبر کی وہ اس لئے تعریف کرتے تھے کہ انگریزی قوم کے بارے میں کیا رائے قائم کی جائے، کسی شخصیت کے افکار کی خوبی یہ ہے کہ وہ مستقبل کی نشان دہی کر رہا ہو، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے پاکستان کا اعلان سنتے ہی دیوبند کی ایک مجلس میں جس میں اکابر علماء شامل تھے صرف ایک جملہ کہا...... ''پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں مسلمان ختم ہو جائے گا اور پاکستان میں اسلام کی شکل بدل جائے گی''

مولانا کے قریبی حلقوں میں رہنے والے لوگ جانتے ہیں کہ گاندھی جی جواہر لال نہرو اور مولانا آزاد کے سامنے حضرت مولانا مرحوم نے جس بے باکی کے ساتھ اپنے فکری رجحان کا اظہار کیا، وہ ہندوستان میں کسی دوسرے کے بس کی بات نہ تھی۔

گاندھی جی ان کی باتیں سن کر رو دیتے تھے مولانا آزاد ان کے فکری رجحانات کی تائید کرتے تھے، پنڈت جواہر لال نہرو ایک عقیدت مند کی طرح ان کے خیالات عالیہ سنتے تھے۔

ایسے مقام پر ہونے کے باوجود جس قلندری اور درویشی کا مرحوم نے اظہار کیا، وہ اپنی جگہ بہت کم اسلامی کردار ہے، وہ اپنے شیخ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری کے دستر خوان پر بیٹھ کر ان چند ٹکڑوں کو نہایت ہی مقدس سمجھتے تھے جو شیخ کی طرف سے انہیں دیئے جاتے۔

انہوں نے کبھی اس بات کی تمنا نہ کی کہ کوئی بڑا عہدہ ملے وہ عہدے کو حق کی راہ میں کوہ گراں سمجھتے تھے، حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ہی ان کی ایک بات لبھا گئی تھی کہ وہ ساری عمر اپنے مرید باصفا کی حق گوئی اور نورانیت کا بار بار تذکرہ فرماتے تھے شیخ اپنے

مرید سے ایک عاشق صادق کی طرح خیالات سنتے تھے،اور مرید اپنے شیخ کی محبت وعشق میں شیخ کے جوتوں کو اٹھانا اپنے لئے باعث فخر سمجھتا تھا۔

جن لوگوں نے روحانی زندگی کے اس کردار کو دیکھا وہ جانتے ہیں کہ سیاسی زندگی کی معراج پر پہنچنے والا شخص اپنی ہستی کو شیخ کے سامنے کس طرح مٹاتا تھا،حضرت رائے پوری کی خدمت میں مولانا حبیب الرحمٰن نے چالیس سال گزارے، اور دینی معاملات اور افکار میں جس تفقہ کا ثبوت مولانا حبیب الرحمٰن نے دیا وہ آپ کو مولانا محمد احمد رحمانی صاحب کی اس مرتب شدہ کتاب میں ملے گا۔

دینی اور تبلیغی زندگی میں جس طرح انہوں نے مسلمانوں کی رہنمائی کی اور دینی افکار کو جن الفاظ میں انہوں نے پیش کیا، یہ الفاظ بھی ہندوستان کے بڑے بڑے مفکرین اور ادیبوں کو حاصل نہ ہوسکے، بڑے بڑے علمی اداروں سے کتابیں لکھی جاتی ہیں، دارالمصنفین جلدوں پر جلدیں شائع کرسکتے ہیں، ہزار ہزار صفحہ کی کتابیں میں قاری کو حاصل ہوسکتی ہیں لیکن رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے مضامین ان سے منفرد ہیں کیونکہ میدان کارزار کے سالار نے جب بھی قلم اٹھایا تو بے خوف وخطر اپنے خیالات کا اظہار کیا ۔

تاریخ وفات رئیس الاحرار

(از مولانا صوفی وارثی میرٹھی)

پیشوا احرار کے سب کے حبیب
پہلو میں دل بھی نڈر رکھتے تھے جو

سب کو تنہا چھوڑ کر وہ چل دیئے
جا کیا آباد باغ خلد کو

فکر ہے تاریخ رحلت کی اگر
''موت فخر ملک'' اے صوفی کہو

۱۳۷۶ھ

ہماری بڑی کوتاہی اور جرم ہے کہ ہم اپنی ہمسایہ قوم کو ایک ہزار سال میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعارف نہیں کرا سکے، ہم ہر سال کروڑوں روپیہ مولود خوانی اور سیرت النبی کے جلسوں پر تو خرچ کرتے ہیں لیکن اپنے ہم وطنوں کو آپ کی سیرت مقدسہ سے متعارف نہیں کراتے ہم سب کو خدا کے سامنے اپنی اس غفلت کا جواب دینا ہوگا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

☆......☆......☆

مضامین رئیس الاحرار

بانی مجلس احرار اسلام، بطل حریت، قائد تحریک تحفظ ختم نبوتؐ، مجاہد آزادی ہند رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدسرہ کے قلم سے وقتاً فوقتاً تحریر کیئے گئے مضامین کو اس باب میں شائع کیا گیا ہے، رئیس الاحرار رحمتہ اللہ علیہ کے اس علمی سرمایہ کو پڑھ کر قارئین نہ صرف اسلامی تعلیمات کے اہم ترین دینی اور سیاسی موقف سے آشنا ہوں گے، بلکہ اس دور کے حالات سے باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ موجودہ دور میں درپیش حالات میں رہنمائی بھی حاصل کریں گے۔

محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

معارف القرآن
رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

وماارسلنک الا رحمۃ للعالمین. (سورۃ الانبیاء، آخری رکوع، پارہ:۱۶)

ترجمہ: اور ہم نے جو تجھ کو بھیجا ہے سو مہربانی کر کے جہان کے لوگوں پر

ہر برائی میں جہاں بے پناہ نقصان ہوتا ہے کبھی اس میں سے کچھ بھلائی بھی نکل آتی ہے، لکھنؤ کے افسوسناک واقعہ کے بعد سے میرا دل ودماغ پوری طرح اس طرف متوجہ ہوگیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت کیسے غیر مسلموں تک پہنچائی جائے۔

چالیس برس کے ہوش وحواس میں آیت "**وماارسلنک الا رحمۃ للعالمین**" پر بارہا وعظ سنا اور کہا بھی مگر یہ کبھی خیال نہ آیا کہ یہ آیت مکی ہے، اب جبکہ یہ حالات سامنے آئے اور قرآن شریف کو اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ آیت سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں سے ہے، یہ سورت مکی ہے اور یہ آیت بھی مکہ ہی میں نازل ہوئی ہے جس وقت یہ معلوم ہوا کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے تو میرے دل ودماغ میں ایک نئی روشنی پیدا ہوگئی اور میری روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عظمت میں فرط عقیدت سے جھک گئی، میں یہ بات فخر سے کہتا بلکہ اللہ کے فضل کا اظہار کرتا ہوں کہ یہ جان کر کہ یہ آیت مکہ میں نازل ہوئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے علم کا دروازہ مجھ پر کھل گیا اور میں نے جو کچھ محسوس کیا اس کو بیان کرنے سے عاجز وقاصر ہوں۔

مکہ کی زندگی کا پورا نقشہ جب میرے سامنے آتا ہے اور قرآن کی یہ آواز میرے

کانوں میں گونجتی ہے کہ ہم نے اہل جہان پر رحمت فرما کر آپ کو بھیجا ہے، تو اس رحمت کا اندازہ کرنا میرے بس سے باہر ہو جاتا ہے، میں نے سورۂ انبیاء کو ابتدا سے دیکھا تو مجھے ایسا محسوس ہونے لگا کہ یہ پوری سورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبہ ہی کو بیان کرنے کے لئے نازل فرمائی گئی ہے۔

منکرین اسلام نے آپ کو کیا کچھ کہا اس سورت کی شروع آیت میں ہے کہ **"ھل ھذا الابشر مثلکم افتاتون السحر وانتم تبصرون"** یہ ہمارے جیسا آدمی ہی تو ہے پھر اس کے جادو میں کیوں پھنستے ہو آنکھوں دیکھتے۔

"بل قالوا اضغاث احلام بل افتراہ بل ھو شاعر".

پھر ان منکرین نے کہا کہ اس کو تو پریشان خواب آتے ہیں، پھر کہا! نہیں یہ تو جھوٹ باندھتا ہے خدا پر، پھر کہا! نہیں یہ شاعری کرتا ہے۔

فلیاتنا بآیۃ کما ارسل الاولون: پھر کہا! اگر یہ سچا ہے تو ہمارے لئے کوئی نشانی لے کر آئے جیسا کہ لے کر آئے پہلے پیغمبر۔

وحی الٰہی نے ان تمام باتوں کو نقل کر کے فرمایا کہ:

ما آمنت قبلھم من قریۃ اھلکناھا افھم یومنون: نہیں مانا اس سے پہلے کسی بستی والوں نے جن کی قسمت میں غارت ہونا تھا تو کیا اب یہ مان لیں گے؟

مطلب یہ کہ پہلی قوموں کو جو نشانیاں دکھائی گئیں انہوں نے اس کے باوجود نہیں مانا، اور اس نہ ماننے کی وجہ سے وہ غارت ہو گئے، کیونکہ سنت اللہ یہ ہے کہ اگر کوئی قوم مطلوبہ نشانیوں کے دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو غارت کر دی جاتی ہے اور یہ بھی مطلوبہ نشانیوں کو دیکھ کر ایمان لائیں گے نہیں تو یہ بھی برباد ہو جائیں گے اور آپ کی وجہ سے ان کو برباد کرنا مقصود نہیں۔

ان چند آیتوں کا حوالہ میں نے اس لئے دیا ہے کہ پوری آیت **"وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین"** کے تحت رکھ کر ان کو سوچنا چاہئے۔

جب ایک شخص دنیا کے سامنے صرف چند لفظوں کا ایک فقرہ کہتا ہے کہ ’’اے لوگو! اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو‘‘ تو اس سیدھی صاف اور روشن بات کو سن کر پوری قوم ، پورا شہر، پورا ملک کیا جواب دیتا ہے؟ کوئی پتھر مارتا ہے کوئی گالی دیتا ہے کسی نے جھوٹا کہا اور بے بس ہوئے تو شاعر کہا اور زیادہ بے بس ہوئے تو جادوگر کہنے لگے، پھر مکہ مکرمہ اور آس پاس کی پوری انسانی دنیا نے اتنا ہی نہیں کیا بلکہ چلنا پھرنا، رہنا سہنا، غرضیکہ پوری زندگی کو تلخ کر دیا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں تم سے کوئی مطالبہ نہیں کرتا اور نہ کوئی بڑائی حاصل کرنی ہے صرف یہ بتاتا ہوں کہ ایک خدا کی بندگی کرو، اسی سے تمہاری نجات ہوگی، جب پوری دنیا شدت سے انکار اور پوری قوت سے مخالفت اور فساد کے لئے کھڑی ہوگئی، تو بشری تقاضے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کیا بات آنی چاہئے تھی اور وہ کیا بات آئی ہوگی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے آپ کو اہل جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے؟ اس کی شرح کرنا اور اس کے مکی ماحول کو واضح کرنا، یہ تو علماء کرام اور بزرگان دین ہی کا کام ہے، میرے ذہن میں تو صرف اتنی سی بات آئی ہے کہ کہیں ان منکرین کی اس برائی اور انکار اور فساد کو دیکھ کر طبیعت میں ادنیٰ سے ادنیٰ ملال اور رنجش نہ آجائے کہ یہ حق بات کیوں قبول نہیں کرتے کیونکہ آپ کے دل میں ملال آنے سے یہ خدا کے غضب کے مستحق ہو جائیں گے، اس لئے فرمایا کہ آپ کو ہم نے رحمت بنا کر بھیجا ہے، آپ کے دل میں کسی حالت میں کوئی رنجش میری مخلوق کی طرف سے نہ ہونی چاہئے بلکہ آپ تو میری مخلوق کو سیدھا راستہ دکھاتے رہیں، اور جو کچھ انسانی نسل کی تربیت کے لیے راستہ میں پیش آئے اسے خوشی سے قبول کریں، گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے بھیجے گئے ہیں کہ وہ مخلوق خدا کی تربیت فرمائیں اور اس سلسلہ میں ان کی وہ تمام حرکات جو نادانی اور جہالت سے سرزد ہوتی ہیں انہیں ایسے ہی برداشت فرمائیں جیسے کہ ماں اپنے بچے کی ہر نازیبا حرکت کو خوشی سے قبول کرتی ہے۔

آخر میں علماء کرام کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

زندگی کے ان واقعات کو سامنے رکھ کر جن میں سے کچھ سورۂ انبیاء میں مذکور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرۃ طیبہ کو مرتب فرمائیں، اور آپ کی شان رحمۃ للعالمینی کو واضح کریں اور ہندوستان کے مسلم پریس سے درخواست ہے کہ روزانہ اخبارات اور ماہوار رسالوں کے ہر سال ایک دو نمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بیان کے لئے وقف کر دیں، ان اشاعتوں میں بجز مضامین سیرت کے کوئی دوسرا مضمون نہ ہو، ہم مسلمانوں کو پہلے خود سیرت کو سمجھنا ہے پھر دوسروں کو سمجھانا ہے۔ **وماعلینا الا البلاغ**

۲؍فروری ۱۹۵۶ء

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہی اسلام ہے

لکھنؤ سے اخبارات نے یہ اطلاع دی ہے کہ ایک بدنصیب انسان نے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کوتوہین آمیز طریقے سے استعمال کیا ہے کون شخص ہے جس کو یہ پڑھ کر دکھ نہ ہوا ہو، لیکن اس مسئلہ پر ہمیں دو پہلوؤں سے غور کرنا چاہئے۔

ایک تو یہ کہ اگر اس قسم کے واقعات برابر پیش آتے رہے جن سے بانیان مذاہب کی توہین کی جاتی ہو، تو ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ملک کا امن وسکون برباد ہوکر رہ جائے گا، اور پوری دنیا میں ہندوستان کے رہنے والے ذلیل ہوں گے اور کہنے والے لوگ حق بجانب ہوں گے کہ جمہوریہ ہندوستان میں بانیان مذاہب کی عزت وعظمت باقی نہیں رہتی۔

اس مسئلہ کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت سے ملک کی غیر مسلم اقوام کو متعارف کرایا ہے، اگر آج سے ساڑھے تیرہ سو سال قبل مکہ مکرمہ میں جسم مقدس پر نجاست پھینکنے والے گالیاں دیکر آبروریزی کرنے والے قرآن پاک کی تعلیمات اور آپ کی سیرت پاک کو دیکھ کر مسلمان ہوسکتے ہیں، قتل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ لیکر گھر سے چلنے والے عمر بن خطاب اپنی بہن اور بہنوئی سے قرآن عزیز کی آیات شریفہ سن کر اسلام قبول کر لیتے ہیں، اور پھر حکومت اسلامیہ میں خلیفہ بنائے جاتے ہیں، تو کیا آج ہدایت کا راستہ بند ہو گیا ہے۔

کیا ہماری بڑی کوتاہی اور جرم نہیں ہے کہ ہم نے اپنی ہمسایہ قوم کو ایک ہزار سال میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعارف نہیں کرایا، ہم ہر سال کروڑوں روپیہ مولودخوانی

اورسیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں پر تو خرچ کرتے ہیں لیکن اپنے کروڑوں ہم وطنوں کوحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وشخصیت کے تعارف سے محروم رکھتے ہیں، ہم سب کو خدا کے سامنے اپنی اس غفلت کا جواب دینا ہوگا، ہم نے ہم وطنوں سے غفلت برتی ہے، میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں جب کبھی متعصب سے متعصب غیر مسلم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور سیرت کا تعارف کرایا، تو وہ رونے لگا اوران میں سے ہرایک نے کہا کہ کاش! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ اور آپ کی زندگی کے حالات تمام دنیا کو اس طرح بتائے جائیں جس طرح کہ آپ نے ہم کو بتائے ہیں۔

ایک مشہور ہندو اخبار نویس نے جو آجکل دہلی میں ہے، مجھ سے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر انگریزی میں لکھی ہوئی ایک کتاب پڑھی ہے، سیرت کی اس کتاب کو پڑھ کر میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت محمد صاحب صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہوتے تو میں جا کر ان کے چرنوں میں گر جاتا۔

۱۹۲۲ء کا واقعہ ہے دھرمسالہ جیل میں ایک حوالاتی ہندو جس کی عمر ۶۰/ سال کی تھی میرے ساتھ کوٹھڑی میں بند کر دیا گیا، اس شخص کو اسلام اور مسلمانوں سے بڑی نفرت تھی، لیکن میں اس کی خدمت کرتا رہا، چونکہ وہ بیمار تھا، اور اسے انسانیت کے ناطے ایک خدمت گزار کی ضرورت تھی، اس نے اچھا ہونے کے بعد مجھ سے کچھ قرآن شریف کی آیات سنیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنے، وہ قرآن کا معتقد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق ہوگیا، مجھ سے کہنے لگا کہ مجھے تم مسلمان بنالو، میں نے کہا کہ مسلمان بنایا نہیں جاتا، مسلمان تو خود بنتا ہے جس کو بننا ہو، اور میں نے اس سے یہ بھی کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا ہی اسلام ہے۔

انبیاء علیہم السلام کا طریق کار قرآن عزیز میں مذکور ہے، اور خصوصاً نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار تو سب سے واضح ہے کہ جس شخص نے آپ کو جتنی تکلیف پہنچائی یا آپ کی توہین کی اس سے کہیں زیادہ آپ نے اس کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی، تکلیف میں ایسے

لوگوں کی خدمت کی، اور خدا کی وحدانیت کا سبق ان کے گھر تک پہنچا دیا، تا کہ جہالت کی وجہ سے جو دشمنی اور رنجش ہے وہ علم کی روشنی سے مٹ جائے، سیرت کی کتابوں میں ایسے ہزاروں واقعات آپ کو ملیں گے۔

جنگ احد میں اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا قاتل خالد بن ولید اسلامی افواج کو شکست دینے کے بعد اسلام کی تعلیم سے شکست کھا گیا، اور وہی حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اسلام کا سب سے بڑا جرنیل بنا، اور دربار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیف اللہ کا لقب پایا۔

قرآن مجید کا جب میں مطالعہ کرتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے جتنی گالیاں منکرین اسلام نے انبیاء علیہم السلام کو دی ہیں، وہ سب کی سب وحی الٰہی کے ذریعے نقل کر دی گئیں اور فرمایا گیا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ، ان منکرین اسلام کی باتوں پر کان مت لگاؤ، جو کچھ بیان کیا گیا اس سے مراد یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی طرح ہم اپنے اندر قربانی، برداشت، ایثار اور خدمت کا جذبہ پیدا کر کے ایمان کی روشنی کو آگے بڑھا سکتے ہیں، اسلام پروپیگنڈے اور پروٹسٹ سے آگے نہیں بڑھتا بلکہ ایمان عمل کی قوت سے پھلتا پھولتا ہے۔

اسلام کی روشنی اور اس کی سچائی میں تو اتنی طاقت ہے کہ اکیلے حضرت یوسف علیہ السلام کو تقویٰ اور صبر کی بنا پر جیل کی کوٹھڑی سے باہر لایا گیا اور بادشاہ مصر نے حکومت ان کے سپرد کر دی، مصریوں کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ ایک خدا پرست ہی کے ہاتھوں اپنی حکومت کو محفوظ رکھ سکتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام ایک قیدی اور بکے ہوئے غلام تھے مصر میں ان کا نہ کوئی ہم زبان اور نہ کوئی ہم قوم تھا، اور نہ ہی ان کے پاس پروپیگنڈہ کے وسائل تھے، غرضیکہ زندگی کا کوئی سامان ان کے پاس نہ تھا، لیکن خدا کی وحدانیت کا یقین اور صبر و تقویٰ کی طاقت جو ان کے اندر پیدا ہو گئی تھی، اس نے مغرور حکومت کو ان کے سامنے جھکا دیا جب آپ کو جیل سے باہر لایا گیا، تو آپ کا پہلا قدم تخت حکومت پر تھا۔

۷؍جنوری ۱۹۵۶ء

جو شخص تم کو کہتا ہے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے مسلمانوں کا نہیں، ایسا کہنے والا یا تو احمق ہے یا بڑے درجے کا بے ایمان، صدیوں سے بحیثیت مسلمان کے ہم اس ملک میں رہتے ہیں ہماری مساجد اور مقابر ملک بھر میں موجود ہیں۔

ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب نے سینکڑوں برس اس ملک پر حکمرانی کی ہے، ہم یہیں پیدا ہوئے ہیں اور اسی زمین پر مریں گے، ہماری زندگی کا تمام مفاد اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

اسلام

ارباب اقتدار سے حکومت میں انصاف، عدالت سے دل کے فیصلہ کا مطالبہ کرتا ہے، اسلامی حکومت میں مذہب وملت کا امتیاز عمل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، نسل اور ذات کی تمیز کی وجہ سے ظلم نہیں کیا جاسکتا، ذاتی دشمنی یا قومی مخالفت کی بنا پر ناانصافی نہیں ہوسکتی، عدالت کے سامنے نہ کوئی شخص ہندو ہے، نہ مسلمان نہ عیسائی، نہ آتش پرست نہ عرب کو عجم پر فضیلت ہے نہ عجم کو عرب پر ترجیح، انصاف کی نظر میں ایشیائی اور یورپین دو طرح کے انسان نہیں، فریقین میں مسلم ہو یا غیر مسلم وہ اس ملک کا باشندہ ہو، یا اجنبی غلام ہو یا آزاد، اعلیٰ ہو یا ادنیٰ، اسلام کی نگاہ میں سب مساوی ہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

حکومت کا مذہب

نظام حکومت کے بارے میں اس وقت نظریاتی طور پر ساری دنیا دو بلاکوں میں تقسیم ہوچکی ہے، کہ حکومت کو مذہبی اور اخلاقی لائنوں پر چلنا چاہئے یا دہریت اور لادینی ریاست کی بنیاد پر استوار ہونا چاہئے، صورت کے اعتبار سے وہ جمہوریت ہو یا ڈکٹیٹر شپ شخصی اقتدار کارفرما ہو یا عوام کے ہاتھ میں طاقت ہو بہرحال یہ سوال اپنی جگہ باقی رہتا ہے کہ حکومت کو لادینی بنایا جائے یا مذہبی دستور کا نفاذ ہو، اور اگر مذہبی حکومت ہو تو کس مذہب کی؟

کیا ہندو راج جنتا کے روگوں کا علاج ہے؟ یا عیسائی حکومت میں دنیا کی بھلائی ہے؟ جاپانیوں کا طریقۂ جنگ صحیح تھا یا تبت کے بودھوں کا؟ اسرائیل کے پاس وقت کے مسائل کا حل ہے یا زروشت کے آتش پرست پیرو حکومت چلانے میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، یا مذہب اسلام کی حکومت (جس کے ماننے والے دنیا کی آبادی کا ایک تہائی حصہ ہیں) مخلوق خدا کی تکلیفوں کا علاج ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مذہب اور خدا کے نام پر ہر زمانہ میں ہر مذہب کے اکثر بااقتدار لوگوں نے عوام کو جو ان کے ہم مذہب ہوں یا کسی دوسرے مذہب پر چلنے والے ہوں، اپنے مفاد اور اغراض کے لئے نشانۂ ظلم بنایا ہے، اس بنا پر بھی ایک جماعت نے مذہب کے خلاف محاذ قائم کیا ہے جیسے کہ میں کہہ سکتا ہوں کہ بہت سے لوگ اسی بنا پر نفس مذہب سے متنفر ہو چکے ہیں، اور مجھے اس بات کو تسلیم کرنے سے بھی انکار نہیں ہے کہ مدعی مذہب گروہ اور افراد کے انفرادی و اجتماعی مظالم کو بعض عیاش طبع انسانوں نے اپنی ہوس رانیوں کے لئے بہانہ بنایا ہے، اور پالٹیشنیوں نے طاقت حاصل کرنے کے لئے بطور حربہ کے استعمال کیا ہے اور یہ صحیح ہے کہ ان مخالفین مذاہب کے ہاتھ میں مذہب کے خلاف ہتھیار دینے والے مذہبی لوگ ہیں، جنہوں نے

مذہب کے نام سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے عوام پر طرح طرح کے مظالم وتشدد روا رکھے ہیں۔

ہمارے سامنے سیکولر اسٹیٹ کی ایک اصطلاح بھی آئی ہے، ماہرین نے اس کا لفظی ترجمہ ''لادینی ریاست'' کیا ہے، اور اس کی دو تعریفیں ہیں یا یوں کہئے کہ دو طبقے اپنے اپنے نظریہ کے مطابق الگ الگ دو تعریفیں کرتے ہیں، قطع نظر اس بات کے کہ وہ لوگ اس نظریئے پر اعتقاد بھی رکھتے ہیں یا نہیں، ایک تعریف یہ ہے کہ سیکولر اسٹیٹ میں تمام مذاہب کو بالکل ختم کر دیا جائے گا، کسی مذہب کا کوئی نام لیوا نہ ہوگا، ریاست کے ہر فرد کی انفرادی واجتماعی زندگی میں پارلیمنٹ کے قانون ہی کا دخل ہوگا، حکومت کا قانون ہی اس کا مذہب ہوسکتا ہے، اور بس، دوسرا طبقہ یہ کہتا ہے کہ سیکولر اسٹیٹ کا یہ مطلب ہے کہ تمام مذاہب کے ماننے والوں کی ملی جلی مشترکہ حکومت ہو، لادینی ریاست کا مطلب یہ ہے کہ حکومت کا کوئی مذہب نہ ہو بلکہ ہر مذہب کو اس میں پھلنے پھولنے کا موقع ہے، کسی شخص کے انفرادی ومذہبی معاملات میں حکومت کو دخل دینے کا حق حاصل نہ ہو، ہر مذہب کے پرستار کو اس ریاست کے شہری حقوق حاصل ہوں، بشرطیکہ وہ اس ملک کا باشندہ ہو، اس میں اکثریت واقلیت کا کوئی سوال نہیں ہے، البتہ کسی ایسے عمل کی اجازت نہ ہوگی جس سے دوسرے کے مذہب پر حملہ کیا جائے۔

یہ نظریات جب سامنے آتے ہیں تو عقل پریشان ہوجاتی ہے ہر نظریہ کا قائل دماغ کو متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن دل مطمئن نہیں ہوتا، مجھے ان پر بحث نہیں کرنا میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کے نزدیک حکومت کا مذہب کیا ہونا چاہئے اور اسلام کس حکومت کے مذہب کی تعریف کرتا ہے اور خود مسلمانوں کو جب حکومت کی باگ ڈور ان کے قبضہ میں ہو کس مذہب کے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے وہ مذہب ہے ''عدل وانصاف''۔

جس کے ذریعہ سے عوام کو راحت ہو، اور ملک میں امن رہے، اس میں اقلیت و اکثریت کا کوئی سوال نہیں ہے، کوئی حاکم اور کوئی محکوم نہیں، کسی انسان کو منصب کی بنا پر نہ

فوقیت حاصل ہو اور نہ کسی دوسرے کو اس کے حقوق سے محروم رکھا جا سکتا ہے، کسی کو اسلام کی بنا پر رعایت نہیں دی جا سکتی، اور کسی پر غیر مسلم ہونے کی وجہ سے ظلم کی اجازت نہیں ہوگی، قرآن مجید نصیحت ہی نہیں بلکہ حکم دیتا ہے "**لایجرمنکم شنان قوم علیٰ ان الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ** ....اور کسی قوم کی دشمنی کے باعث انصاف کو ہرگز نہ چھوڑو، عمل کرو یہی بات زیادہ نزدیک ہے تقویٰ کے۔

لہٰذا مذہب وملت کا امتیاز عمل کے راستے میں رکاوٹ نہیں بن سکتا، نسل اور ذات کی تمیز کی وجہ سے ظلم نہیں کیا جا سکتا، ذاتی دشمنی یا قومی مخاصمت کی بنا پر ناانصافی نہیں ہو سکتی، عدالت کے سامنے کوئی شخص نہ ہندو ہے نہ مسلمان نہ یہودی نہ عیسائی نہ آتش پرست اور نہ بدھ ہے، مظلوم کی دادرسی کی جائے اور ظالم اپنے کیفر کردار کو پہنچے، نہ عرب کو عجم پر فضیلت ہے نہ عجم کو عرب پر ترجیح، انصاف کی نظر میں ایشیائی اور یورپین دو طرح کے انسان نہیں، کالے اور گورے کے لئے الگ الگ قانون نہ ہوں گے، کوئی حاکم اور کوئی محکوم نہیں، اس حکم کے بعد تنبیہ کی ہے کہ دیکھو: "**واتقوا الله ان الله خبیر بماتعملون**".

اگر اس کے خلاف ہوا اور حکم الٰہی پر عمل نہ کیا گیا تو اللہ کی سزا سے ڈرو۔

اگر اس دنیا میں مظلوم کی دادرسی نہ ہو سکی، اور وہ اپنا حق حاصل نہ کر سکا، وقت کی حکومت نے اس کی مدد نہ کی، عدالت فیصلہ دینے میں سچائی سے ہٹ گئی تو یہ ممکن ہے کہ اس دنیا میں تمہیں کوئی کچھ نہ کہے، ہو سکتا ہے کہ ہنگامی اقتدار کی طاقت تمہیں مغرور کر دے مگر مرنے کے بعد تم خدا کی گرفت میں ہوگے، یقیناً اس واحد وقہار کی کچہری میں تم سے پرسش ہوگی اس سخت دن تم کو ملزم کی حیثیت سے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہوگا۔

جب میزان عدل قائم ہوگی اور "**من یعمل مثقال ذرةٍ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرةٍ شرا یرہ**"۔

اور جس کسی نے ذرہ برابر بھلائی کی ہوگی اسے اس کی جزا ملے گی، اور جس کسی نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی اسے اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

یہی نہیں کہ اسلام ارباب اقتدار سے حکومت میں انصاف اور عدالت سے عدل کے فیصلہ کا مطالبہ کرتا ہے، وہ عوام کو اپیل نہیں بلکہ حکم دیتا ہے کہ وہ کسی ظالم حکومت سے تعاون نہ کریں جس حکومت میں انصاف نہ ہو، اس کے ساتھ کسی مسلمان نہیں بلکہ کسی انسان کو ہمدردی نہیں ہونا چاہئے وہ کھلے الفاظ میں: **ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان**. ''اور گناہ پر اور ظلم پر کسی کے مددگار نہ بنو'' کا اعلان کرتا ہے، اسی بنا پر ترک موالات کی تحریک اس ہندوستان میں شروع کی گئی، یہی وجہ تھی کہ انگریزوں کو ملک سے نکالنے کے لئے ایجی ٹیشن ہوئے کہ انگریز سے ہندوستانیوں کو انصاف نہیں ملتا تھا، انگریز اور ہندوستانی کے لئے الگ الگ قانون تھے کالے اور گورے کی تمیز تھی عدل کا ذکر تک نہیں تھا، ظلم وتشدد کا دور دورہ تھا، ظلم کے جواز کے لئے ہندوستانی ہونا کافی تھا، پس عوام کا فرض ہے کہ وہ حکومت کی طاقت اور نظم وضبط کا اقتدار ان لوگوں کے سپرد کریں جو عدل قائم کریں، مظلوموں کی دادرسی کریں حقیقت کو سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہوں۔

''ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الیٰ اھلھا''.

بے شک اللہ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم حقوق اور ذمہ داریاں ان لوگوں کو دو، جو ان کے اہل ہوں، وہ لوگ وہ ہیں جو معاملات کے فیصلہ میں خیانت نہ کرتے ہوں، اپنے فرائض عمل کو پوری دیانتداری سے ادا کریں، ہر بات میں امین ہوں اور جو کام ان کے سپرد کئے جائیں پوری ذمہ داری سے انہیں نبھائیں، کسی کی رعایت یا کسی کا خوف ان کو صراط مستقیم سے نہ ہٹا سکے۔

ان لوگوں کے ہاتھ میں سلطنت وحکومت کی باگ ڈور دے دینی چاہئے، یہ لوگ ہی خدا کی زمین پر خدا کے نائب ہیں، وہی خلیفۃ اللہ ہیں، ان صاحب اقتدار لوگوں کو ان کا فریضہ بتایا گیا ہے کہ جب مسند عدل پر بیٹھو! جب تمہارے ہاتھ میں محکمہ قضا آجائے جب عوام تم کو حکم مان لیں یا حکومت حاکم مقرر کردے تو تمہارا فیصلہ عدل وانصاف سے سرمو تجاوز نہ ہو۔

''واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل''.

''اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں کے جھگڑوں کا تو فیصلہ انصاف سے کرو''۔

اس آیت پر غور سے نظر کرو، بین الناس کہا ہے بین المسلمین نہیں فرمایا کہ خدا کی تمام مخلوق کے درمیان عدل وانصاف قائم رکھنے میں کوئی امتیاز نہیں، فریقین میں مسلم ہو یا غیر مسلم وہ اس ملک کا باشندہ ہو یا اجنبی وہ غلام ہو یا آزاد، اعلیٰ ہو کہ ادنیٰ اسلام کی نگاہ میں سب مساوی ہیں، تم اپنا فیصلہ عدل کی بنیادوں پر قائم کرو، انصاف کرو انصاف! وقت کی مصلحت اور ذاتی مفاد اگر عدل سے ٹکراتا ہے تو اسے پس پشت ڈال دو، اگر عدل پر مبنی فیصلہ یا عادلوں کی حکومت تمہیں مفید معلوم نہ ہو تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے، خدا کا حکم مانو اسی کی نصیحت قبول کرو'' **ان اللہ نعما یعظکم بہ ان اللہ کان سمیعاً بصیراً** ''اللہ اچھی نصیحت تم کو کرتا ہے بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

وہ حکمتوں سے خوب واقف ہے، یاد رکھو کہ اس کا حکم ہی دنیا وآخرت کی بھلائیاں رکھتا ہے، اسی کی نصیحت بہتر ہے، اسی میں فلاح ہے، تم حاکم ہو یا محکوم، مدعی ہو یا مدعا علیہ سوچ لو کہ خدا تعالیٰ اس فیصلہ کو اس کے نفاذ اور اس پر عمل کو حتیٰ کہ تمہاری نیتوں تمہاری رائے زنی اور تقریظ وتبصرہ کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے، پس اگر حاکم کا فرض یہ ہے کہ وہ عدل کی بنیادوں پر فیصلہ کرے اور پوری قوت کے ساتھ اس کے نفاذ کی کوشش کرے مدعی اور مدعا علیہ بھی پوری اطاعت کے ساتھ اس فیصلہ پر عمل کریں، کیونکہ وہ سمیع وبصیر دیکھتا ہے اور سنتا ہے، کہ کون ہے جو ملک میں خدا کی زمین پر امن قائم رکھتا ہے، اور عدل کو رواج دیتا ہے، انصاف کو چاہتا ہے یہی نہیں کہ عمل کے قیام کے لیے صرف حکومت وقت ہی مخاطب ہے بلکہ عوام کو بھی حکم ہے انہیں بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر حکومت عادلہ کے سامنے حقیقت واقعہ کو معلوم کرنے کے لئے مشکلات درپیش ہوں جیسے کہ پیش آیا کرتی ہیں۔

واقعات پر پردہ ڈالا جاتا ہو خود میدان میں آؤ عدالت کے کٹہرے میں چلے جاؤ جو کچھ بھی معلوم ہو صاف صاف کہہ دو، ضروری نہیں کہ عدالت سے تمہارے نام سمن جاری کئے جائیں، اگر تم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو۔

کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ ولو علیٰ انفسکم او الوالدین والاقربین ''اللہ کی طرف گواہی دو اور انصاف پر سختی سے قائم رہنے والے بن جاؤ، خواہ تمہاری رائے تمہارے ماں باپ کے یا تمہارے رشتہ داروں کے خلاف کیوں نہ ہو''۔

اگر وقت پڑے کہ تمہیں اپنی ذات کے خلاف اپنے والدین اور اپنے رشتہ داروں کے خلاف شہادت دینی پڑے جبکہ عدل تمہارے مخالف کے حق میں فیصلہ دیتا ہو، انصاف تمہارے خلاف تمہارے مفاد اور مصالح کے خلاف ہو تو سچی گواہی دو، خدا کا حکم ہے جو حق ہو اسے صاف ظاہر کرو، کسی عزیز قریب کا نقصان ہوتا ہو تو پرواہ نہ کرو، دنیاوی نفع کے لئے آخرت کا نقصان نہ کرو، یہاں تک کہ جب تمہاری ذات کا معاملہ بھی پیش آئے تو سچ کہو، کیونکہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی مل جاتے ہیں، جو دوسروں کے معاملہ میں بھی سچ کہہ دیتے ہیں انہیں ان تنازعات میں جہاں ان کی ذات کو نقصان پہنچتا ہو وہ پہلو بچا لیتے ہیں، اور ان کمزور طبع بیوقوفوں کو بھی تنبیہ کی جاتی ہے جو اپنی ذات کے لئے حق اور صاف بات کہہ کر نقصان برداشت کرتے ہیں، مگر سوسائٹی کا خوف برادری کا دباؤ غیروں کے معاملے میں ان کی زبان بند کر دیتا ہے، یا کسی کی پریشان حالی پر بے جا ترس کھا کر وہ حق سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔

ان یکن غنیا او فقیرا فاللہ اولی بھما فلا تتبعوا الھویٰ......ان تعدلوا...... ''اگر کوئی مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، تم پیروی نہ کرو، دل کی خواہش کی انصاف کرنے میں''۔

جو حق ہو سو کہو کسی مالدار کی دولت تم سے اپیل نہ کرے اور فقیر کی غربت پر ترس نہ کھاؤ، نہ سرمایہ تم پر دباؤ ڈال سکے، اور نہ کسی کی مسکنت اور فقر سے اثر لو، یہ رحم بھی دوسرے فریق پر ظلم ہے، اور خدا ظلم کرنے والے کو جو کسی کا حق دبا رہے ہوں یا کسی کے حق کے حصول میں رکاوٹ ڈال رہے ہوں دوست نہیں رکھتا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر

سلطنت امور دنیا میں سے ہے: کچھ عرصہ سے یہ بحث چل رہی ہے کہ مذہب کو سیاست سے جدا رکھنا چاہئے، یہ بحث یورپ سے اٹھی ہندوستان اور ایشیا کے سبھی ممالک نے اس کا بہت حد تک اثر قبول کیا، اس کا مطلب یہ ہے کہ سیاست میں سچائی اور انصاف کو ختم کر دیا جائے، یعنی حصول حکومت بلکہ حصول اقتدار کے لئے جو بھی کچھ کیا جائے وہ جائز ہے، مسلمانوں کے ایک طبقہ نے اسے نظریاتی طور پر صحیح نہیں سمجھا، عملی دنیا میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسی نظریہ کا ظہور ہے، دوسری جماعت نے یہ کہا کہ مذہب اور سیاست ایک ہے اور اس نعرہ سے حصول اقتدار کی کوشش کرتی رہی اور کر رہی ہے۔

لفظ سیاست کو مذہب کے مقابلہ میں کب سے استعمال کیا جانے لگا، اس کی تاریخ معلوم نہیں، البتہ تاریخ اسلام میں دین اور حکومت کا لفظ یقیناً مقابلہ میں استعمال ہوتا رہا ہے، مدت تک میری طبیعت میں اس مسئلہ میں خلجان رہا، کیونکہ میرے ذہن میں یہ ہے کہ سلطنت ایک دنیوی کاروبار ہے یہ نہ تو اسلام کے مقاصد میں سے ہے نہ ضروریات دین میں اس کا شمار کیا گیا ہے۔

البتہ اس کے ذریعہ اگر عدل قائم ہو اور مخلوق خدا کو انصاف ملے تو عدل قائم کرنے والے اللہ کے نزدیک مقبول ہوں گے، اور منشاء ربوبیت کو پورا کرنے والے۔ حکومت و سلطنت اسی طرح دنیاوی کاروبار ہے، البتہ تجارت میں دیانت اور سلطنت میں عدل تاجر اور صاحب سلطنت کے لئے اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ اور نجات کا سبب بن جاتے ہیں۔

۱۹۴۰ء کی نظر بندی کے دوران میں منٹگمری جیل میں ''ازالۃ الخفا'' دیکھ رہا تھا، حضرت

علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول نظر سے گذرا جس میں آپ نے خلافت کو امور دنیا میں سے قرار دیا ہے، پوری روایت یہ ہے جس سے مسئلہ پر پوری طرح روشنی پڑ سکے گی۔

کماخرج ابوعمرفی الاستیعاب عن الحسن البصری عن قیس بن عبادقال قال لی علی ابن ابی طالب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض لیالي و ایاما ینادی باالصلوٰۃ، فیقول مروا ابابکر یصلیٰ بالناس فلما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نظرت فاذا الصلوٰۃ علم الاسلام وقوام الدین فرضینالدنیانا من رضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لدینناںبایعنا ابابکرؓ .

(ازالۃ الخفا ۱۴۸ / مقصداول فصل چھارم احادیث خلافۃ)

وہ قیس بن عباد سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے تھے مجھ سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں کچھ دن اور کچھ راتیں ایسی تھیں کہ جب اذان ہوتی تو آپ فرماتے کہ (اے لوگو! ابوبکر سے کہہ دو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو میں نے اس امر پر نظر کی کہ نماز اسلام کی علامت ہے، اوردین کا ستون ہے، لہٰذا (جب ابوبکر اس میں ہمارے امام ہو چکے) تو ہم سب نے اپنی دنیا کے سردار (ہونے کے لیے) اس شخص کو پسند کرلیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین (کی سرداری) کے لیے پسند فرمایا تھا پس (بلاتکلف) ہم نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کر لی۔

اس روایت سے یہ بات صاف ہوگئی کہ سلطنت اور خلافت ایک دنیاوی کاروبار ہے، یہ الگ بات ہے کہ امور سلطنت اگر ایک عادل اور دیندار شخصیت یا جماعت کے سپرد کردیئے جائیں تو وہ اس کو اوامر ونواہی کی پابندی کے ساتھ چلانے کا اہتمام کریں گے۔

اسی لئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دینی فضیلت کی وجہ سے ان کی خلافت کو فضیلت ہے،

یہ بات نہیں کہ نفس خلافت کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ کو کوئی فضیلت حاصل ہوئی اور یہ خلافت ان کے لئے باعث افتخار ہو، البتہ ان کے عدل وانصاف کی وجہ سے اعمال حسنہ میں زیادتی کا سبب، رضائے الٰہی کا ذریعہ اور خلق خدا کی رحمت کا موجب ضرور ہے۔

حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب ماثبت بالسنۃ میں ابن حجر کی اسد الغابہ سے حسن بصری کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مذکورہ قول ان الفاظ سے روایت کیا ہے۔

قال قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابابکر وانی صحیح غیر مریض وانی شاھد غیر غائب ولوشاء ان یقدمنی فرضینالدنیانا من رضی اللہ ورسولہ لدیننا.

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کو امام بنایا اور انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی، میں بے شک موجود تھا غائب نہیں تھا، میں بھلا چنگا تھا بیمار نہیں تھا، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجھے (امامت کے لیے) آگے کرنا چاہتے تو آگے کر دیتے، پس ہم نے اپنی دنیا کے لیے اسی کو پسند کرلیا جس کو اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا۔

اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا وہ مشورہ بھی .... کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کتنے صاف واضح اور فیصلہ کن انداز میں کوفہ کے سفر سے روکتے ہوئے خلافت کے معاملہ میں تنقید کرتے ہوئے خلافت اور حکومت کو دنیا بتایا قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشورہ آپ نے مجمع صحابہؓ میں دیا اور اس پر نکیر نہیں ہوئی۔

وقال لہ ابن عمر لاتخرج فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیرہ اللہ. بین الدنیاوالآخرۃ واختار الاخرۃ وانت بضعۃ منہ لاتنالھایعنی الدنیا. (ماثبت بالسنۃ ۳۲)

حضرت عبداللہ بن عمر نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کوفہ نہ جائیں

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ نے دنیا اور آخرت کا اختیار دیا تھا، سو آپ نے آخرت کو پسند فرمایا تھا اور آپ ان کے جگر گوشہ ہیں، آپ کو دنیا نہیں ملے گی۔

دیکھ لیا آپ نے ابن عمر کیا فرما رہے ہیں کہ خلافت وحکومت دنیا ہے اور آپ کو دنیا نہیں ملے گی کہ آپ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کو اختیار کر لیا ہے، روایت ہے کہ بعد میں ابن عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

"**غلبا حسین بالخروج ولعمری لقد رای فی ابیه واخیه عبرة**".

حسین کوفہ جانے کے معاملہ میں ہم پر غالب آ گئے، حالانکہ وہ اپنے باپ اور بھائی کے معاملہ میں عبرت حاصل کر چکے تھے کہ انہیں دنیا یعنی خلافت نہیں ملی، چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخرت کو اختیار کر چکے تھے، یہ آخرت کے مقابلہ میں خلافت وسلطنت کا بیان کرنا کتنا زور رکھتا ہے، مجھے وہ لوگ معاف فرمائیں گے جو عبرت سے اہل کوفہ کی بے وفائی مراد لیتے ہیں، بہرحال قرون اولیٰ میں خلافت وحکومت کو دین سے الگ شعبہ خیال کیا جاتا تھا یہ الگ بات ہے کہ اہل دین واصحاب عدل کے اقتدار کے ساتھ اس کو دین بنا لیا جائے۔

آیئے اب ذرا اس مسئلہ میں قرآن مجید کی تلاوت کریں کہ وہ کیا رہنمائی دیتا ہے، اس دنیا میں رہنے والوں کو بتایا گیا ہے کہ دار آخرت کس کا حصہ ہے کون لوگ آئندہ زندگی میں اس کے مستحق ہوں گے؟ جو سلطنت کے طالب نہ ہوں۔

"**تلک الدار الاٰخرة نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولافساداً**".

"یہ دار آخرت ہم دیں گے ان لوگوں کو جو نہیں چاہتے اپنی بڑائی ملک میں اور نہ بگاڑ ڈالنا"۔

معلوم ہوا کہ علو فی الارض کا ارادہ بھی یعنی سلطنت کا حصول دین نہیں ہے ورنہ اسے مقاصد میں رکھا جاتا، البتہ اس کی طلب پر ز جزا اس کے دنیا ہونے پر دال ہے۔ **والعاقبة للمتقین فافهم**.

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ پر نظر ڈالئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن مجید اس بات کو صاف کر رہا ہے کہ انہیں سلطنت کس حیثیت سے دی گئی۔

”وکذلک مکنالیوسف فی الارض یتبوء منھاحیث یشاء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین، ولاجرالاٰخرۃ خیر للذین آمنوا وکانوا یتقون“۔

اور یوں قدرت دی ہم نے یوسف کو اس میں جگہ پکڑتا تھا اس میں جہاں چاہتا تھا پہنچا دیتے ہیں ہم رحمت اپنی جس کو چاہیں اور ضائع نہیں کرتے ہم بدلہ بھلائی والوں کا اور ثواب آخرت بہتر ہے ان کو جو ایمان لائے اور رہے پرہیز گاری میں غور کیجئے کہ اجر آخرت کو تسکین فی الارض کا ثمرہ نہیں فرمایا، البتہ اس کو اپنی رحمتوں میں ضرور شمار کیا ہے اور دنیا میں اعمال حسنہ کا اجر کہا ہے۔

آپ ذرا اور باریک بینی سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آیت:

”وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض“۔

”وعدہ کرلیا اللہ نے ان لوگون سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور کئے ہیں انہوں نے نیک کام البتہ پیچھے حاکم کردے گا ان کو ملک میں“۔

میں خلافت وحکومت کو ایمان و عمل صالح کا دنیوی ثمرہ فرمایا ہے، یعنی خلافت وحکومت دنیا میں انعامات الٰہیہ میں سے ہے جو ضروری نہیں کہ ہر صاحب عمل کو یہی انعام دیا جائے، پس اسے دین کہنا اپنا فہم ہے اور ایمان و عمل صالح پر اجر وثواب اخروی بدلہ ہے، تاہم دنیا کی راحت وعظمت دنیا ہے جسے نصیب برحمتنا سے تعبیر کیا ہے، اس سے زیادہ کیا بڑی دلیل ہوگی کہ بنی اسرائیل میں سوائے چند ایک مثالوں کے ہمیشہ نبوت اور حکومت کی تقسیم رہی ہے، اس لئے طالوت کو بنی اسرائیل کی درخواست پر بذریعہ وحی ملک مقرر کیا گیا لیکن شمویل علیہ السلام اور حضرت داؤد علیہ السلام پر فضیلت نہیں دی گئی اسی طرح حضرت

سلیمان علیہ السلام کی دعا...... **رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی** کی قبولیت کے باوجود یا یوں کہئے کہ وصف سلطنت کی بنا پر ان کو افضل الانبیاء نہیں فرمایا، اگر سلطنت اجزاء دین میں سے ہوتی تو اتنی بڑی سلطنت یقیناً باعث فضلیت ہونی چاہئے تھی۔

اوپر کی آیات وروایات سے معلوم ہوا کہ سلطنت دین کے اجزا میں سے نہیں ہے بلکہ قرائن اس کے خلاف ہیں، یہ الگ بات ہے کہ عالم اسباب میں سلطنت بھی کبھی اشاعت دین کا وسیلہ ہوگئی ہو میرے سامنے خلافت راشدہ کے بعد چند ایک مثالیں ہی ایسی ہیں البتہ عدل وانصاف یقیناً سلطنت میں دین ہے، جو ارباب اقتدار کے لئے ذخیرہ آخرت ہوتا ہے اور اسلام ارباب اقتدار سے فقط قیام عدل کا مطالبہ کرتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نوشیرواں غیر مسلم کی زمانہ سلطنت کی محاصرت پر وصف عدل کی بنا پر فخر فرمایا، میں کہہ سکتا ہوں کہ عدل وعفو ہی نے کئی بار غیر مسلموں کے قلوب کو ایمان کی روشنی سے جگمگایا ہے، اور لا اکراہ فی الدین کے زبردست حکم کے باوجود سلطنت کے اقتدار سے کام لیتے ہوئے دین کی اشاعت کرنے کو روک دیا۔

یاد رہے کہ میں اس بات کی ضرورت سمجھتا ہوں کہ سلطنت واقتدار اہل دین اور اصحاب خلوص کے ہاتھ ہو جن کی زندگی کے ہر شعبہ میں اسلام کا پورا نظام نمایاں ہو، جو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر یقین رکھتے ہوں کہ ہم سے ہمارے ہر عمل کا جواب طلب کیا جائے گا جو لوگ۔

> **"کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتومنون بالله".**
>
> "تم ہو بہتر سب امتوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر"۔

کا صحیح مصداق ہوں، اور اوامر ونواہی کا پوری صدق دلی سے نفاذ کر سکیں، اور وہ لوگ ایسے ہوں جن سے خلق خدا کو بلا امتیاز مذہب وملت انصاف مل سکے، اور وہ

”لایجرمنکم شنان قوم علی ان الاتعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی“۔
”اور کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس کا باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو، عدل کیا کرو، وہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے“ کی چلتی پھرتی تفسیر ہوں۔

حاصل یہ ہے کہ امور عالم دو طرح کے ہیں، ایک وہ ہیں جو اصول دین یا مقاصد دین میں سے ہیں وہ عمل کی کمی یا نیت کی خرابی کی وجہ سے نہ صرف ضائع ہو جاتے ہیں بلکہ کبھی کبھی موجب لعنت وعذاب بھی ہوتے ہیں، جیسا کہ نماز کے متعلق آتا ہے کہ قیامت کے دن بعض لوگوں کے منہ پر ماردی جائے گی، دوسری قسم ان امور کی ہے جو فی حد ذاتہ نہ دین ہیں اور نہ دین کے مقاصد میں سے ہیں بلکہ کبھی کبھی حمایت واشاعت دین کا ذریعہ ووسیلہ بن جاتے ہیں، وہ اسی لئے قابل قدر ہوتے ہیں جیسا کہ صرف، نحو ولغت اور دیگر علوم متداولہ کے بغیر کتاب وسنت کا سمجھنا ناممکن ہے وسیلہ ہونے کی وجہ سے ان علوم کو فضیلت وشرف حاصل ہوا ہے، اسی دوسرے قبیل سے سلطنت حکومت اور اس کا حصول ہے جبکہ اس میں عدل وانصاف ہو، اور اس سلطنت واقتدار حاصل کرنے والوں کی نیت خالص اعلائے کلمۃ اللہ ہو۔

مجھے اپنے اس یقین کامل کے اظہار میں کوئی باک نہیں کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ”الیوم اکملت لکم دینکم“ (آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا) کے اعلان کے بعد ہر انسان اور ہر قوم کو دینی ودنیاوی انفرادی واجتماعی زندگی کے لئے ایک مکمل دستور عطا کرتا ہے، اقتصادی معاشرتی الجھنوں کا حل اسی میں موجود ہے، اخلاق کا درس اور عمل علمی وحقیقی بنیادوں پر ہی استوار کرتا ہے، سیاسی امور میں اسی کی رہنمائی سے دنیا میں امن قائم رہ سکتا ہے، اسی مذہب کے ضوابط وقواعد کی دینی ودنیوی امور میں پابندی اخروی نجات کا سبب ہو سکتی ہے، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سلطنت واقتدار امور دنیا میں سے ہے، نہ کہ امور دین میں سے ہے، نہ عین دین ہے، یہ صحیح ہے کہ

اسلام نے سلطنت کا دستور حقیقت پر مبنی اور فطرت انسانیہ کے مطابق وضع کیا ہے، ورنہ اتممت علیکم نعمتی (اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا) سے مراد سلطنت ہوتی اور غلام قوموں کا ایمان معتبر نہ ہوتا، رحمت خداوندی کا جوش دیکھئے کہ آزادی اور غلامی دونوں حالتوں کے لئے ورضیت لکم الاسلام دینا، (اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کرلیا ہے) فرمایا ہے ان سطور میں اسلام میں مذہب وسیاست کے صحیح مقام کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، چونکہ میں دیکھ رہا ہوں کہ عوام حکومت الٰہیہ دینی اقتدار اور اسلامی سیاست کے پرفریب نعروں سے مسحور ہو رہے ہیں، اس لئے میں عوام وخواص کو اس مسئلہ پر اس نہج سے سوچنے کی دعوت دیتا ہوں تاکہ حق کھل سامنے آجائے۔

"وكذلك نفصل الأيات لعلهم يتفكرون".

میں آخر میں اس بات کو پھر منقح کر دینا چاہتا ہوں کہ میری بات کی بنیاد میرے دعویٰ کی اصل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ قول۔

"فرضينالدنيانامن رضى الله ورسوله لديننا".

(یعنی ہم نے اپنی دنیا کے لئے اسے اپنا سردار بنایا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے دین کے لئے پسند فرمایا) ہے۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کو ظاہر فرمایا ہے کہ سلطنت وحکومت امور دنیا میں سے ہے، امور دین سے نہیں ہے، آیات قرآنیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس قول کی تائید کرتی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے آیات مذکورہ کے منشاء تک ہمیں رہنمائی حاصل ہوئی ہے، ان سے مفہوم ہوتا ہے کہ خلافت امور دنیا میں سے ہے امور دین میں سے نہیں ہے، یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ سلطنت کو کس نہج پر چلانا چاہئے اس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔

☆......☆......☆

مذاہب عالم اور اسلام

عالم کے ہر گوشہ اور ہر قوم میں خدا نے ہادی اور پیغمبر بھیجے ہیں

اسلام کے معنی ہیں اللہ کی وحدانیت پر یقین کرنا کہ اس کے سوا کوئی بندگی اور پرستش کے لائق نہیں، اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دینا، اور اپنی مرضی کو اس کی مرضی کے تابع بنا دینا، یوم آخرت پر یقین رکھنا، اور تمام پیغمبروں اور اللہ کی ساری کتابوں پر ایمان لانے کو اسلام کہتے ہیں، مومنین کو حکم ہے کہ وہ قرآن اور پیغمبر اسلام کی طرح تمام کتب سابقہ اور سارے پیغمبروں کی تصدیق کرتے رہیں۔

"یاایھاالذین آمنوا باللہ ورسولہ والکتاب الذین نزل علی رسولہ والکتاب الذین انزل من قبل ومن یکفر باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر فقد ضل ضلا لا بعیداً"۔

ترجمہ: " اے ایمان والو! یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی ہے اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو نازل کی تھی اس سے پہلے اور جو یقین نہ رکھے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ بہک کر دور جا پڑا ہے"۔

کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا، جب تک وہ خداوند تعالیٰ کے سارے پیغمبروں پر یقین نہ کرے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں اور اللہ کی ساری کتابوں پر یقین نہ لائے کہ وہ منزل من اللہ ہیں۔

اس سے اگلا قدم اسلام نے یہ اٹھایا کہ اس نے اعلان کر دیا کہ عالم کے ہر گوشہ اور ہر قوم میں خدا نے ہادی اور پیغمبر بھیجے ہیں، قرآن پاک میں ایک جگہ نہیں متعدد مقامات پر واضح الفاظ میں فرمایا ہے:

ولکل امة رسول: اور ہر فرقہ کا ایک رسول ہے

ایک موقعے پر ہے، ''**مامن قریة الا خلافیھانذیر**'' کوئی بستی ایسی نہیں جس میں ڈرانے والا نہ آیا ہو۔

اور اسی بات کو کہیں ہادی کے نام سے ذکر کیا، ولکل قوم ہادٍ اور ہر قوم کے لئے ہوا ہے راہ بتانے والا، سورۂ نحل میں ایک مقام پر ارشاد ہوا ہے۔

''**ولقدبعثنافی کل امة رسولا ان اعبدواللہ واجتنبوا الطاغوت**''.

ہم نے اٹھائے ہیں ہر امت میں رسول کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچو ہر دنگے سے

اور ایک جگہ یہ بھی فرمایا:

''**لانفرق بین احدمن رسلھم**'' ہم ان تمام انبیاء میں کسی طرح کا فرق نہیں سمجھتے اس لئے کہ سب کی دعوت ایک ہی ہے۔

ایک مسلمان کو تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے، خواہ وہ ان کو جانتا ہو یا نہ جانتا ہو، اور خدا کے تمام پیغمبروں کی بنیادی تعلیم ایک ہی تھی اور ان کی کتابوں میں اپنے زمانے کی ضروریات وحالات کے مطابق صحیح ہدایت موجود تھی، اگر آج ان کتابوں میں کفر اور شرک کی تعلیم ملتی ہے یا ان کی امتیں ان کو خدا کا بیٹا اور اوتار کہتی ہیں تو ان پیغمبروں کے ماننے والوں کی گمراہی ہے، ان کے عالموں اور پروہتوں نے اپنی پرستش کرانے کے لئے پیغمبروں کو خدا کا بیٹا یا اوتار کہہ دیا، گویا ان عقائد کا اعلان کر کے اسلام نے ہر مسلمان کا منہ بند کر دیا، کسی گذشتہ بزرگ اور کتاب کے متعلق کسی قسم کی توہین آمیز بات نہیں کہہ سکتے بلکہ ان کی عزت اور عظمت کریں، ورنہ کم از کم خاموش رہنا ان کے لئے ضروری ہے۔

ہندوستان کے مذہبی رہنماؤں کے متعلق علماء اسلام کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ اس بارے

میں خاموشی اختیار کی جائے، کہ وہ نبی تھے یا نہیں اور ان کی تعلیم اور ان کی کتابیں جو ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں اور جن میں غیر خدا کی پرستش پائی جاتی ہے، یہ درحقیقت ان کے ماننے والوں کی گمراہی کا نتیجہ ہے، اور انہوں نے ان کی کتابوں میں تحریف کی ہے یا اپنی طرف سے بہت سی باتیں ان بزرگوں کے ذمے لگا دی ہیں۔

اسلام نے ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہا کہ تم لوگوں کے بنائے ہوئے معبودوں کو برا نہ کہو۔ بلکہ ان کو سمجھاؤ کہ غیر اللہ کی عبادت انسانیت کی توہین ہے کہ وہ جہالت کی وجہ سے پروردگار عالم کو برا کہنے لگیں گے گویا قانون اسلام نے دنیا بھر کے بزرگوں کا احترام مسلمانوں کے ایمان کا جز بنا دیا، یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہوں اور آپ کی تعظیم کرتا ہوں، اس اقرار کے ساتھ ساتھ کسی ایک پیغمبر کی توہین کرے یا انکار کرے تو مسلمان نہیں رہ سکتا۔

مرزا غلام قادیانی اور اس کے ماننے والوں کو اس لئے بھی اسلام سے خارج قرار دیا گیا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کرتے تھے اور اس سے آگے بڑھ کر یہ بھی تشریح کر دی کہ یہ مٹی اور پتھر کے ڈھانچے جن کے آگے لوگ اپنا سر جھکاتے ہیں، ان کو بھی برا نہ کہو، ایسا نہ کہو کہ ان کے ماننے والے معبود حقیقی کو چڑ کر برا کہنے لگیں۔

یہ ہے اسلام۔ یہ ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مذہب یہ ہے قرآن کی تعلیم کیا ان طریقوں کا انکار کر کے اور ان سچائیوں پر ایمان لائے بغیر دنیا آگے بڑھ سکتی ہے۔

کفر: کفر کے معنیٰ انکار کے ہیں اور کافر کہتے ہیں سچائی سے انکار کرنے والے کو، خواہ وہ اس کے دل کے پردوں میں چھپی ہوئی سچائی ہو، جو فطرت کی پکار ہے یا اس کی سوسائٹی کی مدد سے باہر کی سچائی ہو، منکر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنی سوسائٹی کے ہر بزرگ اور ہر کتاب کا انکار کرے، یہی نہیں بلکہ ان کی توہین کرنے کو اپنی مذہبی زندگی کا جزو سمجھتا ہے، مثلاً یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکار و توہین کے بغیر یہودی نہیں رہ سکتے، عیسائی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار بلکہ تمام مذاہب کے انکار کے بغیر

عیسائی نہیں رہ سکتے، اسی طرح ہندوستان کے مختلف فرقے اس وقت تک اپنے خیال کے مطابق اپنے مذہب میں نہیں رہ سکتے جب تک وہ دوسرے مذاہب کے بزرگوں اور کتابوں کا انکار نہ کریں، بلکہ ان کے خلاف غلط الزامات لگا کر ان کی توہین نہ کریں، اگر ان کے کسی بزرگ کے خلاف کچھ نہ مل سکے تو مخالفین کی کتابیں تلاش کر کے دوسرے مذاہب کے بزرگوں کی توہین کریں گے، اور اس طرح پر اپنی سوسائٹی کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد نے سچ فرمایا ہے:

> ''کہ دنیا اسلام کی اس لئے مخالف نہیں کہ وہ دوسروں کی تکذیب کرتا ہے بلکہ اس لئے مخالف ہے کہ وہ ان کی تکذیب نہیں کرتا، یعنی تمام مذاہب کی کتابوں اور بزرگوں کا احترام کرنے کو اسلام ایمان کا جزو قرار دیتا ہے اور نجات کی شرط''۔

اصل بات یہ ہے کہ مذاہب عالم جو اسلام کے علاوہ ہیں سب اس بنیاد پر زندہ ہیں کہ ہر مذہب دوسروں کا انکار کرے، ایک دوسرے کی تردید اور توہین ہی میں ان مذاہب کی ترقی پوشیدہ سمجھی جاتی ہے، اور اسلام خود بخود آگے بڑھ رہا ہے کہ وہ دنیا کے مذاہب اور ان کی کتابوں اور بزرگوں کی تعظیم اور احترام کا حکم دیتا ہے۔

ہندوستان کے غیر مسلم اصحاب کو چاہیے کہ وہ توجہ کر کے دیکھیں کہ دوسرے مذاہب اور ان کے بزرگوں کے متعلق اسلام کا طرزِ عمل کیا ہے اور ان کا کیا ہے؟

اسلام کے اس اعلان کے بعد کہ دنیا کے ہر حصے میں پیغمبر اور ہادی آئے ہیں، ہندوستان کے علماء اور درویش تلاش میں لگے رہے کہ ہندوستان میں پیغمبر اور ہادی آئے ہیں یا نہیں اور آئے تو کہاں اور کس زمانے میں؟

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی اپنے مکتوب میں آج سے ساڑھے تین سو برس پہلے لکھتے ہیں کہ ہندوستان میں بھی پیغمبر اور ہادی آئے ہیں، گذشتہ امتوں کے حالات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی جگہیں بہت کم ہیں جہاں پیغمبر مبعوث نہ ہوئے ہوں، حتیٰ

کہ زمین ہند میں بھی جو اس معاملہ میں بے تعلق دکھائی دیتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں اور مانع جلشانہ کی طرف دعوت فرمائی ہے، اور ہندوستان کے بعض شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے انوار شرک کے اندھیروں میں مشعلوں کی طرح روشن ہیں، اگر کوئی صاحب کشف ان شہروں کو معین کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔

صرف یہی نہیں کہ انہوں نے یہ فرمایا کہ میں نشان معین کرسکتا ہوں ؛ بلکہ ریاست پٹیالہ موضع براس میں حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ قبور پر نشان بھی لگائے ہیں جو کہ ہزاروں برس پہلے ہندوستان میں مبعوث فرمائے گئے تھے، اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں جو دہلی میں سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور بزرگ گذرے ہیں، انہوں نے ایک بات یہ کہی کہ ہندوستان کے یہ لوگ اہل کتاب ہیں اور دوسری وہ عبارت بھی قابل غور ہے جو حضرت شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی کے ملفوظات میں مولانا محمد علی صاحب مونگیری نے نقل کی ہے۔

قیوم دوراں حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہٗ اس شخص کے خواب کی تعبیر میں فرماتے ہیں جس میں دیکھا تھا کہ ایک جنگل آگ سے بھرا ہوا ہے اور کنہیا اس کے بیچ میں ہے، اور رام چندر اس کے کنارے پر۔

قرآن مجید میں آچکا ہے، کہ ہر فرقہ میں ہدایت کرنے والا گذرا ہے، اس سے ظاہر ہے کہ ہنود میں بھی کوئی ہادی گذرا ہوگا، اس تقدیر پر ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ اپنے عہد میں ولی ہوں یا نبی، اور رام چندر نسبت سلوکی کی تعلیم کرتا ہو اور کرشن نسبت جذبی کی، چونکہ کنہیا میں ذوق اور شوق کا غلبہ تھا، اس لئے وہ عشق اور محبت کی آگ میں جلتا ہوا نظر آیا، اور رام چندر پر سلوک غالب تھا، جذب کو طے کر چکا تھا اس وجہ سے وہ آگ کے کنارے نظر آیا۔

☆......☆......☆

مشترکہ سول کوڈ اور قانون اسلام

ملک میں کسی بھی مذہب کے معاملات اور رسم ورواج کا احترام کرنا قانونی دفعات میں شامل ہے۔حکومت کسی مذہب کے اصول وضوابط اور رسم ورواج میں مداخلت نہیں کرسکتی۔

تعدد ازدواج شریعت اسلام کا ایک ضروری حصہ ہے اور یہ مسئلہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے، جولوگ اس اسلامی قانون میں ترمیم کرنا چاہتے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اس مداخلت کو قرآن میں ترمیم کرنے کے مترادف سمجھا جائے گا، اور کوئی صاحب ایمان اس کو برداشت نہیں کرسکے گا اور یہ مداخلت جمہوری طرز حکومت پر ایک بدنما داغ ہوگی۔

(ازمرتب: محمد احمد رحمانی)

تعدد ازدواج

اسلام ایک سے زیادہ شادی کی تو اجازت دیتا ہے
لیکن زنا کی کسی حالت میں اجازت نہیں دیتا

جب سے انسانی نسل ظہور میں آئی اور جب سے ہمیں انسانی نسل کی معلومات حاصل ہیں اس وقت سے لیکر آج تک تمام مذاہب اور تمام اقوام جاہل و عالم سب کا یہ متفقہ فیصلہ رہا ہے کہ انسانی نسل کی عظمت کے لئے مرد اور عورت کے درمیان نکاح ضروری ہے، نکاح کے بغیر جو بچہ بھی پیدا ہوتا ہے، اسے کسی سوسائٹی اور مذہب نے جائز قرار نہیں دیا، غیر شادی شدہ مرد و عورت کے تعلقات کو ہمیشہ ناجائز تعلقات کہا گیا، بلکہ ان تعلقات کو بدمعاشی اور عیاشی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اگر تاریخ کے اوراق کو ٹٹولا جائے تو زنا کی سزا ہمیشہ تمام مذاہب اور اقوام میں سخت سے سخت رہی ہے، بالخصوص اسلام نے شادی شدہ زانی مرد وعورت کی سزا رجم جبکہ زنا کار مرد و عورت غیر شادی شدہ ہوں تو سو سو درے مقرر کئے ہیں قرآن عزیز میں فرمایا ہے:

الزانية والزانی فاجلدوا کل واحدمنهمامائة جلدة ولاتاخذکم بهما رافة فی دین الله ان کنتم تومنون بالله والیوم الآخر ولیشهد عذابهما طائفة من المؤمنین.

بدکاری کرنے والی عورت اور مرد سو مارو، ہر ایک کو دونوں میں سے سو سو درے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کے حکم چلانے میں اگر تم یقین رکھتے ہو اللہ پر، اور پچھلے دن پر اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان اور شادی شدہ اگر ناجائز تعلقات پیدا کریں تو انہیں پتھروں سے مار دینے کا حکم ہے۔

اسلام ہی دنیا میں پہلا دین ہے جس نے عورتوں کی تعداد پر پابندی لگائی کہ چار عورتوں سے زیادہ کوئی مرد شادی نہیں کرسکتا، اور اگر وہ ایک سے زیادہ شادی کرے تو اس پر فرض ہے کہ اپنی عورتوں کے درمیان عدل وانصاف پورا پورا قائم رکھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع فان خفتم الاتعدلو فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذلک ادنیٰ الاتعولوا“.

”نکاح کرلو، جواورعورتیں تم کوخوش آویں، دودوتین تین ، چار چار پھر اگر ڈرو کہ ان میں انصاف نہ کرسکوں گے تو ایک ہی نکاح کرو یا لونڈی جو اپنا مال ہے، اس میں امید ہے کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے اور وہ ایسا نہیں کرے گا تو شدید گنہگار ہوگا“۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام نے چار شادیاں کرنے کا حکم دیا ہے، یہ سمجھنا غلط ہے بلکہ اسلام نے اس حکم سے چار سے زیادہ شادیاں کرنے کو قطعی منع فرمادیا، اور چار تک شادیاں کرنے کو جائز قرار دیا ہے، نہ کہ ضروری۔

اسلام کا قانون ایک سے زیادہ شادی کرنے کی تو اجازت دیتا ہے، لیکن وہ زنا کی کسی حالت میں اجازت نہیں دیتا، اسلام کا قانون نفس زنا پر سزا دیتا ہے، اور موجودہ مہذب دنیا کے قوانین صرف زنا بالجبر پر سزا دیتے ہیں عام زنا پر نہیں، آج کی مہذب سوسائٹی زنا کو محبت کا نتیجہ کہتی ہے۔

یورپین تہذیب اور مذہبی دنیا نے باقاعدہ طور سے ناجائز بچوں کی پرورش کے لئے ادارے کھول رکھے ہیں، موجودہ دنیا کی مہذب سوسائٹی بغیر نکاح کے پیدا شدہ بچے کے بارے میں سوال نہیں کرتی اور نہ زنا کار مرد وعورت سوسائٹی میں اپنے لئے ذلت محسوس کرتے ہیں، زنا کا جرم یعنی بلا نکاح کے عورت مرد کے تعلقات قتل چوری ڈاکہ زنی سے بھی

زیادہ سخت ہے، کیونکہ زانی مرد وعورت سوسائٹی کی طہارت و پاکیزگی اور نسل کی ترقی کی تباہی کا باعث ہوتے ہیں۔

غیر شادی شدہ مرد وعورت جو زنا کار ہوتے ہیں ان کو اور ان کی اولاد کو اگر جنگلی حیوانوں کے سپرد کر دیا جائے تو شاید ان کو وہ بھی قبول نہ کریں۔ نکاح اور اس کے ذریعے جو اولاد پیدا ہوتی ہے وہی انسانی نسل کو جانوروں اور باقی مخلوق سے ممتاز کرتی ہے ورنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق باقی نہیں رہتا۔

جو لوگ اور جو حکومتیں آج یورپ کی تقلید میں ایک سے زیادہ نکاح کو ممنوع قرار دے رہی ہیں ان کا اولین فرض یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے سوسائٹی میں ایسے قوانین بنائیں اور ایسے اخلاق پیدا کریں، جن کے ذریعے زنا ہمیشہ کے لئے رُک جائے اور سوسائٹی میں جو بدکاری اور عیاشی محبت کے نام پر ہوتی ہے اس کو بھی جرم قرار دیا جائے۔

جب تک زنا کو جرم نہیں قرار دیا جائے گا، اور اس پر لوگوں کو سخت سزائیں نہیں ملیں گی اس وقت تک ایک سے زائد نکاح پر پابندی لگانا زنا کاری اور عیاشی کی امداد کرنا ہے۔

دنیا کا تجربہ ہمیں بتا رہا ہے کہ یورپ اور امریکہ میں ایک مرد کو ایک عورت سے زیادہ کے ساتھ شادی کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن ہر مرد وعورت نکاح کے بغیر اپنے تعلقات کو جس طرح چاہیں قائم رکھ سکتے ہیں، ہندوستانی زبان میں اس طریق کا مطلب یہ ہے کہ ایک سے زیادہ عورت سے نکاح نہ کرو، مگر داشتہ جتنی چاہو رکھو۔

یہ کہنا کہ ایک مرد ایک سے زیادہ عورت سے شادی نہیں کر سکتا، یہ قانون عورت کے حق میں نہیں بلکہ عورت کے خلاف ہے کیونکہ نکاح کرنے سے عورت کا پورا بوجھ مرد کی زندگی پر پڑ جاتا ہے، اور بلا نکاح کے داشتہ عورت کا بوجھ مرد پر نہیں پڑتا، اور نہ وہ اس کی اولاد کی ذمہ داری لیتا ہے۔

ہماری عجیب حالت ہے کہ ہم ہر ایک چیز یورپ کی عینک سے دیکھتے ہیں اور اسی دماغ سے سوچتے ہیں حالانکہ سب سے پہلے ہندوستان میں یہ قانون بننا چاہئے کہ کوئی عورت

اٹھارہ برس سے چالیس برس کی عمر تک غیر شادی شدہ نہیں رہ سکتی خواہ وہ بیوہ ہو یا مطلقہ یا کنواری، جب تمام ملک کی عورتیں نکاح کرنے پر مجبور کردی جائیں گی تو میں یقین کرتا ہوں کہ زنا کاری اور بدکاری ہندوستان میں بند ہوجائے گی اور ایک یا ایک سے زیادہ شادی کرنے کا مسئلہ خود بخود اس قانون کے بعد ختم ہوجائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو سیدھے راستہ پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت زینبؓ کے دونوں نکاحوں کا پس منظر

دنیا میں نسل کا غرور ہمیشہ سے چلا آرہا ہے، اور اقوام نے رنگ ونسل کے اعتبار سے انسانوں کو تقسیم کردیا، اسلام سے قبل اہل عرب میں نسلی غرور پورے عروج پر تھا، قریشی اور ہاشمی سب سے زیادہ اونچی ذات کے سمجھے جاتے تھے، اسی نسلی برتری کی بنا پر قریش فریضہ حج ادا کرتے ہوئے مزدلفہ سے واپس آجاتے عرفات میں عام لوگوں کے ساتھ جانا انہیں پسند نہ تھا۔

قریش نے اپنے اسی نسلی غروراور برتری کا مظاہرہ جنگ بدر میں مسلمانوں پر حملہ کرتے ہوئے کیا قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا کہ آپ کی طرف سے جو انصاری مسلمان ہمارے ساتھ مقابلے کے لئے آئے ہیں، ہم ان سے لڑنا اپنی توہین سمجھتے ہیں؛ کیونکہ یہ لوگ نسلی اور خاندانی اعتبار سے ہمارے برابر نہیں ہیں۔ گویا غرور نسل اور اس کی برتری اس درجے کو پہنچ چکی تھی کہ قریش اپنے سے کم درجے کے لوگوں کے ساتھ لڑنا بھی توہین سمجھتے تھے۔

اسلام نے جہاں خدا کی وحدانیت کا پیغام دیا وہیں دوسرا اعلان یہ کیا کہ سب انسان خواہ وہ کسی نسل کسی ملک یا کسی مذہب کے ہوں، سب خدا کی مخلوق ہیں اس لئے کسی انسان کو کسی انسان پر برتری حاصل نہیں، سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، نسل قومیت وطنیت اور مال کے اعتبار سے کسی کو چھوٹا یا بڑا نہیں سمجھا جا سکتا۔

سب رب العالمین کے بندے ہیں اور آدم کی نسل ہیں، اس لئے کسی قسم کی بڑائی چھوٹائی رنگ ونسل کا امتیاز انسانی نسل میں برداشت نہیں کیا جا سکتا، البتہ جو نیک انسان ہیں

اور جن کا تقویٰ (کیرکٹر) اعلیٰ اور بلند ہے ان کو قابل عزت سمجھا جاوے گا۔

"یآ ایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی و جعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفو ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر"۔

"آدمیو! ہم نے تم کو بنایا، ایک مرد اور ایک عورت سے اور رکھیں تمہاری ذاتیں اور قبیلے تاکہ آپس میں پہچان ہو، تحقیق کہ عزت اللہ کے ہاں اس کی بڑھی جس کا ادب بڑھا"۔

انسان کا بڑا چھوٹا، معزز و حقیر ہونا، ذات پات، اور خاندان ونسب سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ جو شخص جس قدر نیک ہوگا اسی قدر بارگاہ الٰہی میں معزز و مکرم ہے، نسب کے اعتبار سے تو سارے انسانوں کا سلسلہ حضرت آدم اور حضرت حوا تک جا پہنچتا ہے، نسل اور ذات کا تعلق قرآن کی زبان میں محض تعارف اور شناخت تک ہی ہے، کسی شخص کا شریف اور بڑے گھرانے میں پیدا ہونا، معیار کمال یا فضیلت نہیں، اصلی فضیلت اور عزت کا معیار تقویٰ طہارت ہے اور جس شخص کا کیریکٹر اور تقویٰ گر چکا ہے وہ خدا کے ہاں مقبول نہیں ہوسکتا، لیکن تمام برائیوں کے باوجود بھی انسان کو روٹی کپڑا اور ضروریات زندگی سے محروم بھی نہیں کیا جا سکتا، نسل انسانی کے اس غرور اور برتری کو ختم کرنے کے لئے ضروری تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی عملی قدم اٹھائیں جس سے نسلی غرور کا ہمیشہ ہمیش کے لئے خاتمہ ہو جائے۔

پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ہر نیکی وسچائی کی دعوت دینے سے پہلے خود اس پر عمل کرتے ہیں، اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو اس کی طرف بلاتے ہیں، نبوت کے بعد جن امور کی آپ نے اصلاح فرمائی، ان میں غلاموں کی آزادی اور ان کی حالت کی درستگی بھی تھی آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ لوگو! تم نے ان کو غلام کیوں کر بنا لیا ماں کے پیٹ سے تو یہ آزاد پیدا ہوئے تھے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی عزت اور نسلی غرور کے خاتمے کے لئے اپنی پھوپھی زاد بہن جو کہ ایک قریشی اور ہاشمی لڑکی تھی، کا نکاح حضرت زید

بن حارث سے تجویز فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تجویز کو سن کر حضرت زینب اوران کے بھائی نے انکار کیا، اوران کے اقربا بھی اس رشتے سے راضی نہ تھے چونکہ یہ تجویز کہ ایک ہاشمی اورقریشی لڑکی کا نکاح ایک غلام سے کردیا جائے پورے عرب کے نسلی غروراور انسانی برتری کا خیال رکھنے والے لوگوں کے لئے ایک کھلا چیلنج تھا مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس اصلاح کاارادہ فرمالیا تھااس پر برابر قائم رہےاورآپ نے پوری نسل انسانی کے لئے ایک بہترین مثال قائم کردی۔

آج ہم شایداس بات کااندازہ نہیں کرسکتے کہ اہل عرب کواس نکاح کی تجویز سے کس قدر صدمہ پہنچا ہوگا، آپ کی اس تجویز کی تائید میں قرآن مجید کی آیت نازل ہوگئی کیونکہ آپ کی تجویز منشاء الٰہی کے مطابق تھی، اس لئے وحی کے ذریعے حضرت زینب اوران کے بھائی کو تنبیہ کی گئی۔

”وما کان لمؤمن ولامؤمنة اذاقضی الله ورسوله امراان یکون لهم الخیره من امرهم ومن یعص الله ورسوله فقدضل ضلالاًمبیناً“.

”جب خدااوراس کارسول مومنین کے کسی معاملہ کا فیصلہ کردیں تو ان کواپنے معاملے کا کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اگرکوئی اللہ یااس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ سخت گمراہی میں ہوگا“۔

قرآن حکیم کا یہ حکم سنتے ہی دونوں بہن بھائی ہار گئے اورحضرت زینب کے اقربا نے قرآن حکیم اورحکم رسول کے سامنے اپنے ذاتی قومی اورنسلی خیالات کو چھوڑ دیا، چنانچہ حضرت زینب کا نکاح حضرت زید بن حارث سے کردیا گیا، یعنی ایک ہاشمی اورقریشی لڑکی کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجویز اوراللہ تعالیٰ کی مرضی سے ایک غلام کے ساتھ کیا گیا، اس نکاح کا ہونا نسل انسانی پراحسان عظیم ہوا۔

نکاح کے بعد میاں بیوی میں ناموافقت پیدا ہوگئی یعنی زینب اپنے خاوند زید بن

حارث کو نظر میں نہیں لاتی تھی آپس میں جھگڑا رہتا، اور ایسا ہونا ایک قدرتی امر تھا، دنیا کی انسانی زندگی میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ ایک اونچی ذات والی آزادلڑکی کا نکاح ایک غلام سے کر دیا گیا ہو، عرب کی عورتوں نے حضرت زینب کو کیا کچھ کہا ہوگا، یہ سب باتیں تجربے کے ساتھ سمجھ میں آسکتی ہیں میرا تجربہ ہے کہ عورت نسلی غروراور مالی سربلندی کی وجہ سے خاوندکو کبھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی، اوراگراس کا نکاح کسی چھوٹی ذات کے لڑکے سے کر دیا جائے تو اس کے خاندان اور قبیلے کے لوگ اس کو طعنے دیتے ہیں، جس کی وجہ سے میاں بیوی میں خوشگوار تعلقات کا باقی رہ جانا مشکل ہوجاتا ہے، یہی واقعہ یہاں پیش آیااور حضرت زید نے حضرت زینب کوطلاق دینے کاارادہ کرلیا، اورنوبت یہاں تک پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش مبارک تک حضرت زید نے شکایت پہنچائی، آپ نے زیدکو امسک علیک زوجک کی نصیحت فرمائی، اورواتق اللہ کہہ کرانہیں زیادہ برداشت کے لئے آمادہ کیالیکن خاوند بیوی کارشتہ عجیب رشتہ ہے، جب دل ٹوٹ جاتے ہیں تو کوئی بھی نصیحت کارگرنہیں ہوتی، چنانچہ نصیحت کے باوجود حضرت زید نے حضرت زینب کوطلاق دے ہی دی۔

اس طلاق کااثر حضرت زینب اوران کے خاندان میں کیا مرتب ہواہوگااس کااندازہ نہیں لگایا جاسکتا وہ لوگ تو زید سے شادی کرنے کے پہلے ہی مخالف تھے جو کچھ ہوا، صرف حکم خدااور تجویز رسول پرعمل کرتے ہوئے ہوا، یہ بات کسی کے وہم وگمان میں بھی نہ تھی کہ اس نکاح کی حضرت زینب کو اتنی بڑی قیمت ادا کرنی پڑے گی، اورانہیں سننا پڑیگا کہ میں شوہر کی اطاعت کی قابلیت نہیں رکھتی۔

اس طلاق سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کوبھی زبردست صدمہ پہنچا، حضرت زینب کو یکے بعد دیگرے دوذلتوں کا سامنا کرنا پڑا، ایک یہ کہ ان کا نکاح غلام سے کیا گیا، اور دوسری یہ کہ غلام نے ان کوطلاق دے دی، اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں یہ خیال آیا کہ حضرت زینب نے انسانی عظمت اسلام کی سچائی کوعملی جامہ پہنانے کے لئے

ایک غلام سے نکاح کیا، اور غلام نے اس کو طلاق دے دی، اس لئے زینب کی دلجوئی کے لئے ضروری ہے کہ میں اس سے نکاح کروں، تا کہ اس کی ذلت عزت سے بدل جائے مگر آپ نے نکاح کرنے سے تامل فرمایا، کیونکہ آپ زید بن حارث کو منہ بولا بیٹا (متبنیٰ) بنا چکے تھے، اور عرب میں متبنیٰ کی بیوی سے نکاح کو جائز نہیں سمجھا جاتا تھا، تب وحی الٰہی نازل ہوئی، وحی الٰہی نے حضرت زینب کو ام المؤمنین کا درجہ عطا فرمایا، اس طرح خدا کا نبی حضرت زینب کی دل شکنی کا معاوضہ ہو گیا۔

"فلما قضی زید منها وطراً زوجنکها لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیاء هم اذا قضو منهن و طراً و کان امر الله مفعولاً".

"پھر جب زید تمام کر چکا اس عورت سے اپنی غرض ہم نے اس کو تیرے نکاح میں دے دیا، تا کہ نہ رہے مسلمانوں پر گناہ نکاح کر لینا جوروئیں اپنے لے پالکوں کی جبکہ وہ تمام کر لیں اپنی غرض اور ہے اللہ کا حکم بجالانا"۔

اللہ تعالیٰ نے متبنیٰ کے حقیقی بیٹوں کی طرح ہونے کے جاہلانہ خیال کو پیغمبر کے ذریعہ عملی طور پر ختم کر دیا، اور پیغمبر کو مطلع فرمایا کہ ہم زینب کو تیرے نکاح میں دینے والے ہیں تا کہ آئندہ کوئی تنگی اور رکاوٹ اس مسئلے میں باقی نہ رہے، اس نکاح سے دنیا کی ایک سب سے بڑی رسم منہ بولا بیٹا، حقیقی بیٹے کی طرح ہوتا ہے، ختم کر دی گئی، اور اس واقعہ نے نسلی غرور اور برتری کو ہمیشہ کے لئے عرب سے ختم کر دیا، پھر یہی عرب تھے جنہوں نے غلاموں کو لڑکیاں دیں اور ان سے لڑکیاں لیں اور کسی نے اس میں عار محسوس نہیں کی، پھر انہیں میں بڑے بڑے انسان پیدا ہوئے، ایک عورت چونکہ ایک غلام سے نکاح کرنے میں ذلیل سمجھی گئی اور جب غلام نے اس کو طلاق دی تو اس کی دوہری ذلت ہوئی، اس لئے اس کی عزت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ سب سے بڑا خدا پرست انسان اس سے

نکاح کرے تا کہ اس کے عمل سے لوگ یہ بات سمجھ لیں کہ غلام سے نکاح کرنا کوئی ذلت نہیں اور اگر وہ طلاق دے دے تو عورت ذلیل نہیں ہو جاتی، بلکہ شریف آدمی کو چاہئے کہ اس سے شادی کرنے میں عار نہ سمجھے۔

یہ عملی قدم آج سے تیرہ سو برس پہلے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھایا، یہ بات کسی اور کے بس کی نہ تھی کفر سے توبہ کرنا آسان ہے لیکن رسم ورواج سے توبہ کرنا مشکل ہے، مدینہ طیبہ میں سچے اور مخلص مسلمانوں میں اس واقعہ سے حیرت پیدا ہوگئی لیکن جب ان مسلمانوں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن کا نکاح ایک غلام سے کر دیا ہے، تو انہوں نے بھی غلاموں کو لڑکیاں دیں اور اسی طرح ان کی لڑکیاں لیں۔

آج پوری دنیا میں اونچ نیچ اور ذات پات کو ختم کرنے کے لئے بڑے بڑے اقدامات کانفرنسیں ریزویشن پاس کئے جاتے ہیں، لیکن ایک سو برس کی کوشش سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا، انسانی نسل کی برتری موجودہ سماج اور موجودہ نظام میں اس وقت تک ختم نہیں ہوسکتی، جب تک رشتوں کے خون کے ذریعے ایک نہ کر دیا جاوے۔

ہندوستان میں ہریجنوں کو برابر کرنے میں تمام کوششیں اس لئے ناکام ہوئیں اور ہوں گی کہ پنڈت اور برہمن ان کو لڑکیاں نہ دے سکتے ہیں، اور نہ ان کی لڑکیاں لے سکتے ہیں، اگر ہندوستان کے مذہبی اور سیاسی لیڈر ہریجنوں کی لڑکیوں سے شادی کر لیتے تو ان کی عزت کا راستہ نکل آتا، میں بغیر نام لئے کہتا ہوں کہ بڑے سے بڑے ہندوستانی لیڈر میں جرأت نہیں ہے کہ اچھوت سے لڑکی لے اور دے۔

عیدالفطر

"اللہ اکبر. اللہ اکبر. لاالہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد".

سال بھر میں صرف دو بڑے تہوار آتے ہیں، عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ ، عید الفطر اس عید کو کہتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے پورے ہونے کے بعد ماہ شوال کے پہلے دن ہوتی ہے، اس دن مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ گھروں سے نہا دھو کر صاف ستھرے ہو کر شہر سے باہر کسی کھلے میدان میں جو پاک وصاف ہو، رمضان شریف کے روزوں کے پورے ہونے کا اللہ پاک کے سامنے شکرانہ ادا کریں، کہ اس نے اپنے عاجز بندوں کو انتیس یا تیس روزے رکھنے اور قرآن پڑھنے، سننے اور مسلسل عبادت کرنے کی توفیق عطا فرمائی، روزے کا مقصد تقویٰ اور طہارت حاصل کرنا ہے، یعنی رمضان شریف سے پہلے جو گناہ کرنے کی عادت تھی، مثلاً جھوٹ بولنا، خیانت کرنا، رشوت لینا، غیرمحرم عورتوں کو بری نظر سے دیکھنا، لوگوں پر ظلم کرنا، جھوٹی گواہی دینا، غیبت وچغلخوری کرنا، غرضیکہ اس قسم کے تمام بڑے بڑے گناہوں سے توبہ کرنے کا نام تقویٰ ہے۔

رمضان کے بعد مسلمان میدان میں شہر سے باہر جمع ہو کر اس بات کی خوشی مناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسے تمام بڑے بڑے گناہوں سے محفوظ رکھا اور آئندہ کے لئے اقرار کرتے ہیں کہ اس قسم کے تمام گناہوں سے بچیں گے، جب نماز عید کے لئے گھر سے نکلتے ہیں تو حکم یہ ہے کہ زور زور سے یوں کہیں:

اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ بہت بڑا ہے۔ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور اللہ بہت بڑا ہے اور سب تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

یہ بالترتیب ان الفاظ کا ترجمہ ہے جو اوپر عربی میں لکھے گئے ہیں۔

ان الفاظ کے ساتھ اللہ کی بڑائی اوراس کی تعریف کرتے ہوئے گھر سے عید گاہ تک جانا، اوراسی طرح عید گاہ سے اللہ کی بڑائی اور پاکیزگی بیان کرتے ہوئے گھر واپس آنا۔

ان عیدوں میں نماز عید ادا کرنے اور خدا کی بڑائی پکارنے کے علاوہ جو کچھ ہوتا ہے وہ سب لوگوں کی خود بنائی ہوئی رسمیں ہیں ان کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

عید کو عید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بار بار آتی ہے، اوراس لئے بھی کہ اس کے معنی خوشی کے ہیں اور یہ دن خوشی کا ہوتا ہے اوراس کو عید الفطر اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن روزے ختم ہو جاتے ہیں۔

عید کے دن ہر مسلمان مرد، عورت بچے بوڑھے پر جس کے پاس مال ہواور وہ قرضدار نہ ہو، پونے دوسیر گیہوں یا پونے دوسیر گیہوں کی قیمت غریبوں پر تقسیم کرنا واجب ہے، یعنی وہ دو قسم کی عبادت کرے مالی بھی جانی بھی مال سے مراد صدقۃ الفطر ہے اور جانی سے مراد دو رکعت نماز عید ہے، جو عید گاہ میں ادا کی جاتی ہے، عید کے دن عاجزی اور دل کی سچائی کے ساتھ دعا کرنی چاہئے۔

عید کے اجتماع سے مقصد دنیا کو محبت اور خلوص کا پیغام دینا ہے، اورتمام دنیا کو یہ بتانا ہے کہ تمام بڑائی اورتعریف اللہ ہی کے لئے ہے، اورتمام انسانی نسل خدا کی مخلوق ہے اورتمام مخلوق کی خدمت کرنا ایک مسلمان کی ذمہ داری ہے، جب مسلمان اسلام کی اس تعلیم پر عمل کرتے تھے تو وہ دنیا میں مقبول تھے دنیا ان کو عزت کی نظر سے دیکھتی تھی لیکن آج کے مسلمانوں نے عید کے دن کو ایک میلہ سا بنالیا ہے ان کے اندر اس مبارک دن میں اسلام کی حقیقی روح نہیں پائی جاتی۔

صرف ہندوستان میں تقریباً ایک کروڑ مسلمانوں نے پندرہ گھنٹہ روزانہ کے حساب سے مسلسل ایک ماہ روزے رکھے، اورنصف رات تک کھڑے ہوکر قرآن مجید سنا، اورکئی لاکھ کی تعداد میں پورے پورے قرآن بھی ختم ہوئے اور غربت کے باوجود بے پناہ خیرات بھی اس ماہ میں کی جاتی ہے، اتنی خدا کی پرستش اور تکلیف اٹھانے کے بعد مسلمانوں میں

ایک سچی روحانیت کیوں نہیں ابھرتی، اتنی عبادت اور روزے رکھنے کے بعد ان کو اپنے نفس کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ ان کی زندگی میں کہاں کھوٹ ہے اور کیا جھوٹ ہے کہ وہ اللہ اور اس کی مخلوق کی نظر میں مقبول نظر نہیں آتے، عید کے دن مسلمانوں کو محاسبہ کرنا چاہئے کہ رمضان شریف شروع ہونے سے پہلے جتنے وہ کبیرہ (بڑے) گناہ کرتے تھے ان میں سے کتنے گناہوں سے روزوں کی برکت سے پاک ہوگئے اور ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیئے، یعنی اگر وہ یکم رمضان سے پہلے جھوٹ بولتے تھے تو کیا یکم شوال یعنی عید کے دن وہ ان گناہوں سے سچی توبہ کر کے پاک وصاف ہوگئے ہیں، کیا انہوں نے حصول مال اور جائداد کے لئے جھوٹ بولنا ترک کردیا ہے۔

ایمان کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ مسلمان خدا کی رضامندی کو اپنا اصل مقصود سمجھے، صرف وہ کام کرے جس سے خدا تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو، اور اس کی مخلوق کو نفع پہنچے، اگر ہمارے اندر یہ تقویٰ (کیرکٹر) پیدا نہیں ہوا، تو حدیث شریف کے الفاظ میں ہمارا اسلام نام کا اسلام ہے اور ہمارا قرآن پڑھنا رسمی ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ مجھ کو اور اپنی تمام مخلوق کو اللہ تعالیٰ اپنی تعریف اور بڑائی بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مسلمان مکی زندگی سے سبق لیں

ہندوستان کے کونے کونے سے یہ اطلاع آ رہی ہے کہ ہندو مہا سبھا اور راشٹر یہ سیوک سنگھ کے ذمہ دار کارکن کانگرس حکومت اور مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریریں کر رہے ہیں، اس قسم کی تقریریں ہونا اس وقت کچھ تعجب انگیز نہیں الیکشن کے زمانے میں غیر ذمہ دارانہ تقریریں کرنے کی ہمارے ملک میں عام عادت ہے، ہمارا پڑھا لکھا طبقہ بھی جمہوریت کا مفہوم نہیں جانتا، دوسرے ہندوستان میں ایک طبقہ ہے جو ہندو راج کا خواہشمند ہے، ایسے حالات میں مسلمانوں کے لئے سیدھا راستہ یہ ہے کہ وہ اس بارے میں بالکل خاموش رہیں کیونکہ اس قسم کی تقریروں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے سے مسلمانوں کے خلاف اور اشتعال بڑھے گا، ملک میں امن کی ذمہ داری حکومت اور کانگرس پر ہے، ہمیں کوئی کام ایسا نہیں کرنا چاہئے جس سے حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہو جائے بلکہ ہر قسم کی اشتعال انگیزیوں کو دل کی سچائی سے برداشت کرنا چاہئے۔

مکی زندگی: کاش! ہندوستان کے مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی مکی زندگی سے سبق لیں، تیرہ برس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے صرف اتنی بات پر کہ وہ اللہ کو ایک کہتے تھے اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں کے وہ مظالم برداشت کئے جن مظالم کی مثال تاریخ بیان کرنے سے قاصر ہے، مگر اسلام نے اس وقت مسلمانوں کو کیا راستہ دکھایا ہے تقویٰ (پرہیز گاری) اعلیٰ کیرکٹر اختیار کرو، اور جو مخالفین ان پر ظلم کر رہے تھے جب ان میں سے کوئی بھی مصیبت میں مبتلا ہو ان کی خدمت کرو، اس تقویٰ اور خدمت کے جذبے اور طرز عمل نے مسلمانوں میں ایک ایسی سچائی روحانیت اور

نیک اعمال کی قوت پیدا کردی کہ پھر دنیا نے دیکھا کہ پھر وہی لوگ دنیا کے رہنما تسلیم کر لئے گئے، تقویٰ اور خدمت کا راستہ اختیار کرنے کے لئے بہت بڑے صبر کی ضرورت ہے، صبر کے معنی یہ ہیں کہ راہ حق میں دل کی خوشی کے ساتھ ہر قسم کے مصائب برداشت کرنا، اور ساتھ ہی جو لوگ تکلیف پہنچا رہے ہوں ان کے خلاف کوئی انتقام کا جذبہ نہ ہو، بلکہ ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے رہنا۔

ہندوستان کے مسلمان اب کسی بیرونی ملک میں جا نہیں سکتے اور نہ کوئی ملک ان کو لے سکتا ہے، اس لئے ہندوستان کے مسلمانوں کو اب ایک تعمیری اور عملی زندگی اختیار کرنی ہے مگر وہ تعمیری اور عملی زندگی تقویٰ اور خدمت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی، اور جب تک تعمیری جذبہ پیدا نہ ہوگا، اس وقت تک دلوں کو سکون اور ظاہری اطمینان حاصل نہیں ہوگا۔

تحریک تحفظ ختم نبوتؐ اور رئیس الاحرارؒ

برصغیر میں تحریک تحفظ ختم نبوتؐ کی تاریخ جب جب بھی تحریر کی جاتی ہے تو اس میں اوّل علمائے لدھیانہ کا ذکر سنہری حروف میں آتا ہے کہ اس خانوادے کے اکابرین نے سب سے پہلے انگریزوں کے ایجنٹ مرزا غلام قادیانی سے ٹکر لی تھی، تاریخ ختم نبوّت میں یہ بات بھی اپنی جگہ اہمیت کی حامل ہے کہ عوامی سطح پر اس تحریک کو مجلس احرار اسلام ہند کی جانب سے خانوادہ لدھیانہ کے رجل عظیم رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے سرگرم کیا اور قادیانیت کی بنیادیں ہلا دیں۔

ختم نبوّت کا عقیدہ بنیادی عقائد میں شامل ہے، اس سے انکار کرنے والا شخص شریعت اسلام میں کافر اور مرتد سمجھا جاتا ہے۔ مرزا غلام قادیانی نے ۱۳۰۱ھ میں اپنے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا، اس وقت رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد لدھیانویؒ نے مرزا غلام قادیانی کی ظاہری شکل وصورت دیکھ کر اس کے کفر کا فتویٰ دیا اور بعد میں مرزا کی کتاب (براہین احمدیہ) کو دیکھنے سے اس کے کفر کی تصدیق ہوگئی۔

اس وقت ملک بھر میں کسی عالم کی ہمت وجرأت نہ تھی کہ اس قسم کا جرأت مندانہ فتویٰ دے اور اسلام اور مسلمانوں کو اس عظیم فتنہ سے بچالے، ابتدا میں اس فتویٰ کی مخالفت کی گئی حتیٰ کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس پر تنقید وتبصرہ کیا، لیکن چودہ جمادی الاول ۱۳۰۱ھ کو دیوبند میں علمائے ہند کی ایک مجلس ہوئی اور پورے بحث ومباحثہ کے بعد رئیس الاحرار کے دادا حضرت مولانا محمد صاحب اور ان کے دونوں برادران مولانا شاہ عبداللہ لدھیانویؒ اور مولانا عبدالعزیز صاحب کی تحقیقات کے سامنے سر جھکا دیا اور مرزا غلام قادیانی کے کافر و مرتد ہونے کی تصدیق کی، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی

ؒ کے زمانے میں یہ فتنہ عروج پر تھا، انہوں نے مجلس احرار کے صدر ہونے کی حیثیت سے اس فتنے کی سرکوبی کے لئے قدم اٹھایا اور پنجاب بھر میں ہر جگہ مرزا غلام قادیانی کے ماننے والوں کو شکست دی موضع قادیاں جو کہ مرزائیوں کا گڑھ تھا، اور جہاں مسلمانوں کے لئے زندگی کے دروازے بند کر دیئے گئے تھے، ۱۹۳۴ء میں وہاں پر مسلمانوں کی امداد کے لئے ایک تبلیغی کانفرنس زیر اہتمام مجلس احرار اسلام منعقد کی گئی جس میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے اسلامی جذبات اور حب نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک بھرپور ولولہ انگیز تقریر کی[1]۔

۲۹/اگست ۱۹۳۴ء میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے ایک ملک گیر اپیل شائع کی تا کہ اس نقطہ کی اہمیت کو ہر عالم اور عام مسلمان سمجھ سکیں، اس اپیل کو ملک کے متعدد علماء نے وقت کی اہم ضرورت سمجھا، اور اس کی پرزور تائید کی جس سے پورے ملک میں مسلم عوام فتنہ مرزائیت سے پوری طرح متنبہ ہو گئے......آزاد ہندوستان میں کافی مرزائی قادیان میں رہ گئے ان کی اکثریت پاکستان چلی گئی، بقول رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ:

> ''کوئی شخص قادیانی یا مرزائی ایک ملک کا وفادار ہو، یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی، کیونکہ میرا چالیس سالہ تجربہ ہے کہ مرزائی ملک کا وفادار نہیں بنا۔''

اور بقول ڈاکٹر اقبال مرحوم

> ''مرزائی ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ انگریز کا سچا وفادار ہے''۔

یاد رکھیں کہ اہل ایمان کی آخرت میں نجات اور دنیا میں اسلام کی عظمت صرف ختم نبوتؐ کے عقیدے پر قائم ہے، اس لئے تمام مکتب فکر کے علماء کو چاہئے کہ ہر وقت عوام کو اس فتنے سے متنبہ کرتے رہا کریں۔ محمد احمد رحمانی لدھیانوی

---

[1] مسلم عوام وخواص کے لئے اس کانفرنس میں عبرت وموعظت کے کئی پہلو مضمر ہیں، اس لئے اس کانفرنس کے مختصر حالات ہم شاملِ اشاعت کر رہے ہیں۔

رئیس الاحرار کی استیصالِ مرزائیت کے لیے علماء اسلام سے اپیل

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ میں سے ہر شخص پورے اخلاص اور دیانتداری کے ساتھ عقائد مرزائیہ کی تردید کے لئے پوری پوری کوشش کررہا ہے، مگر مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہورہی ہے کہ آپ حضرات اپنے سامنے یہ دیکھ رہے ہیں کہ حکومت مسلمانوں کے حقوق کے نام پر مرزائیوں کو بڑی بڑی ملازمتیں دے رہی ہے لیکن آپ حضرات نے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔

مرزائیت عوام کے اندر فنا ہوچکی ہے اور اس کی مذہبی تبلیغ تحریک احرار اور زمیندار کی مسلسل کوششوں کی وجہ سے میدان میں شکست کھا چکی ہے، اب مرزائیت کی تبلیغ اور ترویج کا ذریعہ حکومت کی امداد ہے، یعنی حکومت مرزائیوں کو بلند سے بلند عہدے دیکر مسلمانوں پر یہ ثابت کررہی ہے کہ جو مسلمان اس زمانہ میں ملازمت چاہتا ہے وہ مرزائی مذہب اختیار کرے۔

اس سلسلہ میں یہ وحشت ناک خبر سنی گئی ہے کہ عنقریب وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں میاں سر فضل حسین کی جگہ چودھری ظفر اللہ قادیانی کو ممبر بنایا جائے گا۔

مجھے معاف فرمایا جائے اگر میں یہ کہوں کہ آپ حضرات کے نزدیک کسی مسجد میں ایک مرزائی کا امام ہونا خطرہ کا باعث ہوتا ہے، لیکن کسی مرزائی کا حکومت میں عہدہ حاصل کرلینا اتنا خطرناک نہیں حالانکہ اس زمانہ میں مسجد کے امام کی آواز حکومت کے عہدیدار کے مقابلہ میں کوئی اثر نہیں رکھتی، آپ صاحبان یقین رکھئے کہ اگر خدانخواستہ ظفر اللہ مرزائی وائسرائے کی ایگزیکٹو

کونسل کا ممبر بن گیا، تو ہزاروں تعلیم یافتہ مسلمان صرف اس کی خوشنودی مزاج کے لئے ہی مرزائی ہوجائیں گے جس کے خوفناک نتائج کا مقابلہ کرنا آپ کے بس کی بات نہ ہوگی۔

اندریں حالات آپ کا فرض ہے کہ آپ پوری قوت کے ساتھ حکومت پر یہ واضح کردیں کہ تمام مرزائی دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، اور حکومت کا کسی مرزائی کو مسلمانوں کے نام پر کسی قسم کا عہدہ یا ملازمت دینا اسلامی حقوق کے ساتھ انتہائی بے انصافی اور ظلم ہے۔

آپ حضرات کو صاف طور سے حکومت پر یہ واضح کردینا چاہیئے کہ اگر ظفر اللہ ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنایا گیا تو ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ حکومت در پردہ مرزائی مذہب کو فروغ دیکر مسلمانوں کے عقائد کو فنا کرنا چاہتی ہے۔

سنئے! مرزائیت کیوں زندہ ہے، اس لئے نہیں کہ مسلمان انہیں کافر سمجھتے ہیں بلکہ صرف اس لئے کہ جو جماعتیں مسلمانوں کی نمائندہ جماعتیں ہونے کی دعویدار ہیں، ان میں مرزائیوں کو نہ صرف ممبر بنایا گیا، بلکہ عہدے بھی دیئے گئے؛ چنانچہ مختلف مقامات کی انجمن ہائے اسلامیہ میں ان کو بطور ممبر یا عہدیدار جگہ دی گئی، یہی ظفر اللہ قادیانی ضلع سیالکوٹ کی طرف سے بلا مقابلہ مسلمانوں کے ووٹ پر پنجاب کونسل کا ممبر منتخب ہوتا رہا ہے جس کی وجہ سے یہ سمجھا گیا کہ صرف چند صوفیا اور علماء مرزائیوں کو کافر کہتے ہیں، ورنہ اگر مرزائی حقیقتاً کافر ہوتے تو کوئی مسلمان جماعت نہ تو ان کو اپنا ممبر بناتی، اور نہ کوئی عہدہ دیتی، اور نہ ہی کوئی مرزائی مسلمانوں کے ووٹ پر کونسل میں جاتا۔

ان حالات کے ذکر کے بعد مزید تفصیل کو چھوڑتے ہوئے میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جب تک آپ حضرات حسب ذیل طریقوں سے مرزائیت کی اعلانیہ مخالفت نہیں کریں گے اس وقت تک حکومت ان کا ساتھ نہ چھوڑے گی۔

۱۔ آپ اعلان کریں کہ کسی سوشل مذہبی سیاسی انجمن میں کسی مرزائی کو نہ تو ممبر بنایا جائے اور نہ کوئی عہدہ دیا جائے۔

۲۔ کسی مرزائی کو میونسپل کمیٹی ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسل، اسمبلی میں مسلمانوں کی طرف سے

نمائندہ منتخب نہ ہونے دیا جائے، اور جو مسلمان جماعت کسی مرزائی کو اپنا ممبر یا عہدیدار بنائے اس جماعت کا تمام مسلمان بائیکاٹ کر دیں اور اس کو ایک پائی کی امداد نہ دیں۔

میں آپ حضرات کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ ان دونوں طریقوں سے مرزائیت کو شکست دینے کی کوشش کریں گے تو مرزائیت آپ کے سامنے ہی فنا ہو جائے گی، کسی جماعت کے خلاف صرف فتویٰ دینے اور کافر کافر کہنے سے اس وقت تک کامیابی نہیں ہو سکتی جب تک عملی زندگی میں اس کو شکست نہ دی جائے۔

۳۔ آپ حضرات کو یہ سن کر خوشی ہو گی کہ مجلس احرار اسلام ہند نے اپنے ماتحت شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام ہند (جس کا صدر دفتر امرتسر میں ہے) قائم کر دیا ہے، جس کو سیاسیات ملکی سے کوئی تعلق نہ ہو گا، تاکہ ہر خیال کا مسلمان اس میں شریک ہو سکے، اس شعبہ تبلیغ کے ماتحت قادیان میں مجلس احرار اسلام قائم کرائی گئی ہے، خاص قادیان میں مسلمانوں کے اس تبلیغی مشن کو قائم ہوئے تقریباً ایک سال گذر چکا ہے، چونکہ شعبہ تبلیغ کی سالانہ رپورٹ شائع ہونے والی ہے، اس لئے میں اختصاراً ان خدمات کا ذکر کرتا ہوں جو اس قلیل عرصہ میں بفضل باری تعالیٰ انجام دی گئیں۔

۱۔ قادیان کی اسلامی مسجد میں درس قرآن کریم
۲۔ مبلغین کلاس جس میں ۱۴ر طلباء ٹریننگ حاصل کر رہے ہیں
۳۔ جامعہ محمدیہ جس میں مسلمانوں کے بچوں کو فی الحال پرائمری تک تعلیم دی جاتی ہے تعداد طلباء ۸۵ر ہے۔
۴۔ مسجد احرار تیار کی گئی۔
۵۔ متعدد مرزائی تائب ہوئے اور بہتوں کو مرزائیت کا شکار ہونے سے بچایا گیا۔
۶۔ ملحقہ دیہات میں تبلیغی دورے کئے گئے۔
۷۔ جامع مسجد میں اہل السنۃ والجماعۃ اب ڈیڑھ دو ہزار مسلمان نماز جمعہ میں شریک ہونے کے لئے مضافات قادیان سے تشریف لاتے ہیں۔

۸۔ مجلس احرار قادیان کے دفتر میں جھنڈا لگایا گیا۔

۹۔ اس عرصہ میں تین جلسے ہو چکے ہیں، پہلی مرتبہ میں خود قادیان گیا، دوسرے جلسہ میں مولانا عبدالغفار صاحب غزنوی، اور تیسرے میں مولانا محمد بہاؤ الحق صاحب قاسمی ہر جلسہ میں ہزارہا کی تعداد میں مسلمان شریک ہوتے رہے۔

۱۰۔ تین علماء خاص قادیان میں مستقل طور پر متعین ہیں۔

شعبہ تبلیغ نے مسلمانوں کے تبلیغی نظام کو منظّم کرنے کے لئے متعدد علماء کرام کی خدمات حاصل کرلی ہیں تا کہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو تبلیغی جلسوں کے لیے کسی دقت کا سامنا نہ ہو، بلکہ مسلمانوں کے لیے مبلغین کا ایک مرکز موجود ہو، نیز آپ یہ سن کر اور زیادہ خوش ہوں گے کہ عنقریب بتاریخ ۱۶/۱۵/۱۴ / ماہ اکتوبر ۱۹۳۴ء کو خاص قادیان میں شعبہ تبلیغ کی طرف سے مسلمانوں کا ایک عظیم الشان جلسہ ہونے والا ہے، جس میں آپ صاحبان کی شرکت ضروری ہے، تا کہ ہم یہ ثابت کرسکیں کہ باوجود اختلاف عقائد ہندوستان کے تمام علماء ومشائخ مرزائیوں کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں، اور حکومت یہ سمجھ لے کہ مرزائیوں کی حمایت کرنا تمام مسلمانوں کو چیلنج کرنا ہے۔

مجھے پوری توقع ہے کہ آپ اس تبلیغی نظام کی رکنیت خود قبول فرمائیں گے، اور اپنے متعلقین کو ہر قسم کی امداد دینے کی تلقین فرمائیں گے، وقت کی اہم ترین ضرورت ہے کہ ظفر اللہ قادیانی کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں تقرر کے خلاف پبلک جلسے کرکے قرارداد پاس کرائی جائے اور وائسرائے ہند کونسل اور وزیر ہند کو لندن کے پتہ پر تار مختصر مضمون کے دئے جائیں، کہ ظفر اللہ قادیانی کے وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل میں تقرر کی خبر پر مسلمانوں نے انتہائی رنج کا اظہار کیا، مفصل کارروائی جلسہ بذریعہ ڈاک ارسال کی جاتی ہے۔

یہ الفاظ تار میں جائیں، اور باقی مفصل کارروائی ڈاک میں روانہ کریں، مگر یہ خیال کریں کہ لندن کو ہوائی ڈاک میں خط جانا چاہئے، امید ہے کہ آپ حضرات فی الفور اس کام کو انجام دیں گے اور اپنے متعلقین کو اس کام کے انجام دینے کی تاکید کریں گے میں یہ کہے

بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس وقت تساہل یا سستی سے کام لیا گیا تو اس کے نتائج نا قابل برداشت ہوں گے۔

اسی سلسلہ میں ایک ضروری کام یہ بھی ہے کہ حسب ذیل مضمون کا ایک مسودہ لکھئے اور مسلمانوں کے دستخط کروا کر وزیر ہند اور وائسرائے کو فوراً ارسال کیجئے، مسودہ اردو میں لکھتا ہوں مگر اس کو انگریزی میں کرلیا جائے نیچے دستخط انگریزی اور نشان انگوٹھا جیسے دستخط کنندہ کرے کروائے جائیں۔

> ''چودھری ظفر اللہ قادیانی مرزا غلام قادیانی کا مرید ہے، مرزائی مذہب کے نزدیک ہر وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے، جو مرزا غلام قادیانی کی نبوت کا اقرار نہ کرے، اس لئے مرزائی نہ کسی مسلمان کا جنازہ پڑھتے ہیں نہ کسی مسلمان امام کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں، مرزائی خود بھی اپنے آپ کو مسلمانوں میں شامل نہیں سمجھتے، تمام دنیا کے علماء ان کو خارج از اسلام سمجھتے ہیں، اس لئے چودھری ظفر اللہ کو وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کا ممبر بنانا مسلمانوں کے حقوق پر صریحاً ظلم ہے، ہم دستخط کنندگان گورنمنٹ سے پرزور مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ کسی مرزائی کو مسلمانوں کے نام پر کوئی عہدہ اور ملازمت نہ دے۔''

مجھے توقع ہے کہ آپ حضرات میری اس کمزور اور بے ربط آواز پر عمل فرما کر ملت اسلامیہ کی بہت بڑی خدمت سرانجام دیں گے۔

نوٹ: قادیان کے جلسہ میں شرکت فرمانے والے اصحاب فوراً دفتر شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام ہند امرتسر کے پتہ پر اطلاع دیں جملہ خط وکتابت بھی اسی پتہ پر کریں۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

صدر مجلس احرار اسلام ہند

(لاہور) ۲۹؍اگست ۱۹۳۴ء

۲۳/مارچ ۱۹۳۴ء قادیان:

تحریک تحفظ ختم نبوت کے سلسلے میں سب سے بڑا اور مشکل مرحلہ جھوٹی نبوت کے گڑھ قادیان کو فتح کرنا تھا۔ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل سے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے انجام دیا۔ ۲۳/مارچ ۱۹۳۴ء یہ تاریخ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک یادگار تاریخ ہے کہ اس روز مجلس احرار اسلام کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم پہلی مرتبہ قادیان پہنچے۔ اسٹیشن سے شہر تک صدر مجلس احرار کا استقبال ان لوگوں کے دلوں کا آئینہ تھا جنہیں مرزائیوں نے گزشتہ نصف صدی سے غیر قادیانی ہونے کے جرم میں پریشان کیا ہوا تھا۔ بٹالہ، گرداس پور، پٹھانکوٹ اور مضافات کے ہزار ہا شہری اور دیہاتی مسلمانوں نے اپنے نجات دہندہ کا والہانہ خیر مقدم کیا۔ مولانا لدھیانوی کے قادیان پہنچنے پر خوف وہراس کی اس سیاہ چادر کے چیتھڑے اڑ گئے جو مرزائیوں نے اپنے مخالفین پر تان رکھی تھی۔ استقبالیہ ہجوم کے چہروں کی رونق غمازی کر رہی تھی کہ کفر کے ستائے ہوئے دل ایمان کی روشن قندیل سے منور ہو رہے ہیں۔ ''مجلس احرار زندہ باد، مرزائیت مردہ باد'' کے فلک شگاف نعروں نے قصر قادیانیت کو متزلزل کر دیا۔

کارروائی جلسہ قادیان ۲۳/مارچ ۱۹۳۴ء:

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ جب قادیان پہنچے تو ان کے ساتھ مولانا بہاء الحق قاسمی، مولانا محمد سلیمان صاحب فاروقی، بی اے حاجی عبدالرحمٰن صاحب بٹالوی بھی موجود تھے۔ جلسہ گاہ تک رضا کاران احرار بٹالہ ودیگر حضرات نظمیں پڑھتے ہوئے پہنچے تو رئیس الاحرار نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مسلمان جلدی وضو کر کے آجائیں۔ مولانا بہاء الحق قاسمی نے رئیس الاحرار کے حکم پر نماز جمعہ پڑھائی۔ جلسہ گاہ میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی اور حسب پروگرام جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے قادیان میں سب سے پہلے ایک بہت بڑے جلسہ عام میں تقریر کی۔ یہ جگہ سکھوں کے احاطہ میں بڑے بازار کے چوک کے نزدیک

سردار تیجا سنگھ سکریٹری خالصہ دیوان ریاڑکی قادیان کے دوکان کے پیچھے واقع ہے۔ پولیس نے چاروں طرف سے راستہ روک رکھا تھا اور مرزائیوں کی لٹھ بردار انجمن احمدیہ کے رضا کار بڑے چوک سے لے کر بھائی محمود احمد ڈاکٹر کی دوکان تک پولیس کے ہمراہ گشت کررہے تھے۔ کارخانہ جراب ہوزری سے لے کر تانگا اڈہ خانہ چودھری عبدالرحمٰن تک پولیس اور مرزائی لوگوں کو جبراً روک رہے تھے کہ وہ جلسہ گاہ میں نہ جائیں مگر عوام ٹڈی دل کی طرح ہندوؤں کے محلے اور گلیوں سے گزر کر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ تقریر سے پیشتر رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی خدمت میں نماز جمعہ کے بعد سپاسنامہ پیش کیا جس میں مرزا محمود اور اس کی جماعت کے مظالم پیش کئے۔ یہ سپاسنامہ مولانا رحمت اللہ (جو شجاع آباد میں فوت ہو چکے ہیں) نے پیش کیا۔

ہر چند مرزائی رضا کاروں نے فساد کروانے کی کوشش کی مگر وہ خائب وخاسر رہے اور اجلاس پرامن طریقہ پر ہوا۔ حضرت مولانا نے شیر کی طرح گرج کر تقریر کی اور حکومت پر بھی تنقید کی اور مرزا محمود کو مسلمانوں کے بائیکاٹ کرنے سے باز رہنے کی تنبیہ کی (بحوالہ ہفت روزہ لولاک فیصل آباد ۲۱ رمئی ۱۹۶۷ء جلد نمبر ۱۳، شمارہ نمبر: ۷)۔ ان تمام تفصیلات سے معلوم ہو گیا کہ یہ وہ حالات تھے جو کہ قادیان کے مذہبی معاشرتی اور سیاسی کردار کی نشاندہی کررہے تھے اور یہاں کے مسلمان بہت پریشان تھے اور یہ دعا کرتے تھے کہ کوئی نجات دہندہ یہاں پر آئے چنانچہ اس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کو چنا۔ وہ قادیان جہاں مسلمانوں کو سانس لینا دشوار تھا، وہاں رئیس الاحرار مولانا لدھیانوی مردانہ وار داخل ہوئے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی ان ہی مولانا محمد لدھیانویؒ کے پوتے ہیں جنہوں نے سب سے پہلے مرزا قادیانی پر کفر کا فتوی دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے علماء لدھیانہ سے صرف مرزا قادیانی پر کفر کا فتوی ہی جاری نہیں کروایا بلکہ اس خاندان کے خون میں وہ جوش اور جذبہ بھی پیدا کر دیا تھا کہ جس کی وجہ سے سب سے پہلے قادیان میں داخل ہونے کی جرأت بھی اسی خاندان کے فرزند جلیل نے کی۔

ڈاکٹر عبدالسلام سابقہ مرزائی نے جلسہ کی صدارت کی۔ مولانا ہمدانی نے تلاوت قرآن کریم فرمائی۔ اس کے بعد خواجہ عبدالرحیم عاجز نے اپنے مخصوص انداز میں نظم پڑھی۔ پھر مجلس احرار اسلام قادیان کی طرف سے مولانا کو سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

نوٹ:- رئیس الاحرارؒ کا قادیان میں تاریخی خطاب مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی کی مرتب کردہ کتاب ''خطبات رئیس الاحرار'' میں دیکھیں۔

مؤرخین کا اعتراف:

خانوادہ علمائے لدھیانہ نے یوں تو علمی اور عملی میدان میں ہر دور میں جوہر دکھائے۔ فتاوی قادریہ 1857 سے لے کر احسن الفتاویٰ تک ایسی لاتعداد کتابیں ہیں جو علمائے لدھیانہ کی علمی بصیرت کی روشن دلیل ہے۔ میدان جہاد میں بھی لدھیانہ کے علمائے کرام شمشیر بدست نظر آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ علمائے لدھیانہ کی خدمات میں سب سے بڑی اور روشن خدمت فتنۂ قادیانیت سے نہ صرف ٹکر لینا ہے بلکہ اس سے پوری امت مسلمہ کو ہوشیار کرنا ہے۔

راقم الحروف یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہے کہ جس دور میں حضرت مولانا شاہ محمد صاحب لدھیانوی نے مرزا غلام قادیانی کی جھوٹی نبوت کے خلاف اول فتوائے تکفیر جاری کیا۔ وہ ایسا دور تھا کہ جب 1857 کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد پورے ملک پر سکتہ طاری تھا اور انگریزی ظلم وتشدد عروج پر تھا اور کسی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ علی الاعلان انگریز کے خود کاشتہ پودے کو اکھاڑ پھینکنے کا جوہر دکھاتا لیکن علمائے حق علمائے لدھیانہ نے اپنے عمل سے یہ واضح کر دیا کہ آواز حق کبھی کسی حکومت سے خوفزدہ نہیں ہوتی۔

اس ضمن میں ''حقیقت مذہب قادیانیت اور قادیانی کافر ومرتد کیوں'' کے مصنف جناب محمد قمر خاں صاحب رامپوری ایم اے، بی ایس سی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اپنی کتاب کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

لیکن غدر ۱۸۵۷ء کے ملک گیر ناکام جہاد عظیم کے بعد انگریزی حکومت کسی نئے غدر

کے تصور سے بھی لرزاں تھی۔ لہٰذا بڑے غور وفکر کے بعد سرکار نے ایک منصوبہ دعویٔ نبوت ترتیب دیا اور اس کا منشور ''تحریک حرمت جہاد واطاعت سرکار'' قرار دے کر مرزا غلام قادیانی کے حوالے کر دیا، جس نے سرکار کی سرپرستی اور غیر معمولی سیکوریٹ میں بڑے شاطرانہ انداز سے تدریجاً دعوے پر دعوے کئے اور ۱۹۰۱ء میں ''اوتار محمد'' بن کر دعویٔ رسالت وخاتم النبیین کر ڈالا اور اعلان کیا کہ ''اس کی شریعت میں جہاد قطعاً حرام ہے اور اطاعت سرکار سے منحرف کافر وجہنمی ہے''۔ اور اس طرح برطانوی منصوبہ سو فیصدی کامیاب رہا اور انگریز بے خوف وخطر ۱۹۴۷ء تک ملک کو لوٹتے اور دادِ عیش دیتے رہے اور ہر چند کہ علمائے لدھیانہ نے سر بہ کف ہو کر ۱۸۸۴ء میں مرزا غلام قادیانی کے خلاف سب سے پہلے فتوائے تکفیر بھی جاری کر دیا اور مفتیٔ اعظم مکۃ المکرّمہ نے بھی اس فتوے کی تصدیق میں ایک فتوی جاری فرما دیا تھا۔ لیکن پھر بھی مدتوں علمائے ہندوستان سرکار برطانیہ کے اس ''خود کاشتہ پودے'' کی بیخ کنی سے کتراتے رہے۔

۱۹۳۴ء میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی جانب سے جماعت احرار اسلام کی تمام تر توانائیاں فتنۂ قادیانیت کے خلاف استعمال میں لائی گئیں اور علمائے لدھیانہ کے اس فرزند نے انگریز حکومت پر ایک بار پھر یہ بات واضح کر دی کہ انجام خواہ کچھ ہو آواز حق میں لغزش پیدا نہیں ہو سکتی۔ اکابرین دار العلوم دیوبند نے متعدد موقعوں پر احرار اور بالخصوص رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کو داد تحسین دیتے ہوئے یہ بات مجمع عام میں کہی ہے کہ برصغیر میں فتنۂ قادیانیت کو بے نقاب کرنے کا سہرا علمائے لدھیانہ اور پھر مجلس احرار اسلام کے سر ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ آج بھی ملک کے طول وعرض میں قادیانیت کے دانت کھٹے کرنے والے فرزندان اسلام میں علمائے لدھیانہ اور مجلس احرار اسلام مقدمۃ الجیش کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شیر خدا کا ایمان

(از مولانا ظفر علی خاں صاحب)

جس کے ایثار سے ملت کی دوبالا ہوئی شان
اس جماعت کے ہیں سردار حبیب الرحمٰن
ان کے ماحول کو لاحول سے دیجئے تشبیہ
کہ ہوا پاس پھٹکتے ہی ففرو شیطان
جمع ٹوڈی ہوں جہاں گر یہ پہنچ جائیں وہاں
نہیں ممکن کہ کسی طرح وہ ماریں میدان
تختہ دیتے ہیں الٹ سارے وفاداروں کا
آتے ہی ان کے خطا ہوتے ہیں سب کے اوسان
کاسہ لیسان جہاں کی رگ جاں کے حق میں
دم شمشیر ہے اس شیر خدا کا ایمان

....

نوٹ: وزیرآباد اسٹیشن پر مرزا بشیر الدین محمود نے رئیس الاحرار کو اپنا ساتھی سمجھ کر متوجہ کیا، لیکن جب اس مومن کامل نے اس طرف نظر ڈالی، تو مرزا بشیر الدین وہاں سے اس طرح بھاگا جیسے لاحول پڑھنے سے شیطان بھاگتا ہے، یہ واقعہ جب مولانا ظفر علی خان صاحب کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس پر یہ اشعار قلم بند کئے۔ (رحمانی)

عقیدۂ ختم نبوتؐ

رئیس الاحرار اور جواہر لال نہرو

انگریز کے خود کاشتہ پودے جھوٹے نبی مرزا غلام قادیانی کے خلاف عالم اسلام میں سب سے پہلے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی مرحوم کے دادا حضرت مولانا شاہ محمد لدھیانویؒ اوران کے برادران نے ہی تکفیر کا فتویٰ دیا تھا اسی دن سے خاندان علماء لدھیانہ عقیدہ ختم نبوتؐ کے تحفظ کے لئے برسرپیکار ہے، اس خاندان پر یہ بھی اللہ کریم کا فضل رہا کہ مرزا محمود کے دور میں فتنہ قادیانیت کے خلاف عوامی تحریک کی ابتداء بھی مجلس احرار اسلام ہند کی جانب سے صدر احرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے فرمائی اور لگا تار قادیانیوں اور انگریز کے ٹوڈیوں کو شکست سے دوچار کیا، رئیس الاحرار اور رد قادیانیت تاریخ کا ایک سنہری باب ہے جسے آپ رئیس الاحرار کی سوانح حیات اور تاریخ احرار میں پڑھ سکتے ہیں۔

۱۹۵۳ء میں پاکستان میں قادیانیت کے خلاف برپا ہوئی تحریک ختم نبوتؐ کے دوران وزیراعظم ہند پنڈت جواہر لال نہرو نے ایک بیان جاری کردیا تھا جس میں اس تحریک کو نعوذ باللہ تنگ نظری بتایا گیا، یہ ایسا وقت تھا کہ پنڈت جی کے سامنے کوئی بھی لب کشائی کی ہمت نہیں رکھتا تھا لیکن ان دنوں دہلی میں مقیم رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے نہ صرف جواہر لال جی کو تنبیہ کی بلکہ ان کا بیان واپس کروایا، یہ واقعہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے، رئیس الاحرارؒ کی عقیدہ ختم نبوتؐ کے لئے قربانیوں اور خدمات پر ہزارہا صفحات تاریخ میں موجود ہیں لیکن یہاں صرف ہم ان کے ہی قلم سے تحریر کئے گئے اس تاریخی خط کو شامل کررہے ہیں جو کہ نہ صرف پنڈت جی کو بدست دیا گیا بلکہ ملک کے تمام اخبارات میں شائع ہونے کے بعد آج بھی رئیس الاحرارؒ کی بے باکی اور جرأت کی داستان بیان کرتا ہے۔ مرتب

محترم گرامی جناب پنڈت جواہر لال نہرو
وزیر اعظم، ہند

تسلیمات۔!

آپ کا وہ بیان میری نظر سے گذرا جس میں آپ نے فرمایا کہ پاکستان میں ختم نبوّت کی تحریک تنگ نظری پر مبنی ہے، میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے بیان کا یہ ترجمہ صحیح ہے یا نہیں، مجھے تو حیرت اس بات پر ہے کہ آپ نے ایک خالص مذہبی معاملے میں کس طرح اظہار خیال فرمایا، یہ بات تسلیم کرلی گئی ہے کہ کوئی شخص کسی جماعت میں اس وقت تک نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ اس جماعت کے بنیادی عقائد پر یقین نہ رکھتا ہو، مثلاً کانگرس میں وہ شخص نہیں رہ سکتا جو اس کے جماعتی ڈسپلن کو نہ مانتا ہو، اسی بنا پر بہت سے سچے اور پکے کانگرسی کانگرس سے علیحدہ کردیئے گئے چونکہ وہ کانگرس نظام کے پابند نہیں رہے، حالانکہ وہ گاندھی جی کے تمام بتائے ہوئے دوستوں کو صحیح سمجھتے ہیں مگر صرف ڈسپلن کے نہ ماننے کی وجہ سے وہ کانگرس سے علیحدہ کردیئے گئے، اسی طرح اسلام میں ہر وہ شخص بطور مسلمان کے رہ سکتا ہے، جو اس کے بنیادی عقائد پر یقین رکھے، اسلام کسی فرقہ یا سوسائٹی کا نام نہیں بلکہ چند عقائد کا نام ہے، جن کا سچے دل سے اقرار واعتراف ضروری ہے۔

ختم نبوت کا مسئلہ کوئی پاکستان کا نجی مسئلہ نہیں ہے بلکہ یہ تمام عالم اسلام کا بنیادی اور مشترک مسئلہ ہے، جو اسلام کے چار بنیادی اصولوں میں سے ایک ہے جو حسب ذیل ہیں:

(۱) اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کی جائے۔

(۲) مرنے کے بعد آخرت کا یقین رکھنا۔

(۳) تمام پیغمبروں پر ایمان لانا خواہ وہ دنیا کے کسی بھی حصہ پر تشریف لائے ہوں۔

(۴) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا آخری نبی ماننا، کہ ان کے بعد کوئی پیغمبر نہیں آئے گا۔

جو شخص ان عقیدوں میں سے ایک کا بھی منکر ہوگا، وہ اسلام سے قطعی طور پر خارج

سمجھا جائے گا، اور نہ ایسا شخص مسلمانوں کی سوسائٹی میں مسلمان کہلا کر رہنے کا حق دار ہوگا، جو شخص کسی معنی میں بھی اپنے آپ کو پیغمبر یا نبی کہے وہ اسلام کا باغی سمجھا جائے گا، اور قانون اسلام میں وہ کافر اور مرتد قرار دیا جائے گا۔

قادیانیوں کی جماعت ایک ایسی جماعت ہے جو ہمیشہ اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس بنا پر غیر مسلم سمجھتی ہے کہ وہ مرزا غلام قادیانی کو نبی نہیں مانتے، چنانچہ قادیانیوں نے مسٹر جناح اور لیاقت علی کی نماز جنازہ میں اسی بنیاد پر شرکت نہیں کی، کہ وہ مسٹر جناح اور لیاقت علی کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں اور وزارتی کمیشن کے سامنے بھی قادیانیوں نے اپنا مطالبہ پیش کیا تھا کہ ان کو ہندوستان میں اقلیت تسلیم کیا جائے اور تقسیم ہندوستان کے وقت انہوں نے اپنی الگ حکومت بحیثیت اقلیت کے قائم کرنے کی کوشش کی تھی، جس میں وہ کامیاب نہ ہوسکے، یہ جماعت (قادیانی) دانستہ اور ارادتاً فرقہ واریت کو پھیلاتی ہے، اور یہ لوگ پچھلے پانچ برس میں مسلمان عوام سے اسلام کے نام پر قوت حاصل کرتے رہے ہیں، اور مزید کرنا چاہتے ہیں، مجھے اس سے اختلاف کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ وہ جو کچھ مانگیں وہ پاکستان کے ایک شہری کی حیثیت سے مانگیں، نہ کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے اسلام کو استعمال کریں۔

میری یہ ہرگز خواہش نہیں ہے کہ آپ تحریک کی حمایت کریں لیکن میری یہ استدعا ضرور ہے کہ آپ یہ کہہ کر کہ ختم نبوّت کی تحریک تنگ نظری پر مبنی ہے دنیائے اسلام کے مسلمانوں کو دکھ نہ پہنچاویں۔

حبیب الرحمٰن لدھیانوی

۲۸/ مارچ ۱۹۵۳ء

شخصیات

ازقلم۔رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ

رئیس الاحرار حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کی انقلابی سیاسی زندگی میں ملک کے تمام صف اول کے لیڈران کے ساتھ قریبی تعلقات رہے، آپ نے اپنے سیاسی اختلافات کو کبھی ذاتی زندگی میں حائل نہیں ہونے دیا، ملی اور سیاسی میدان میں بلندی پر ہونے کے باوجود نہایت انکساری اور تواضع آپ کے مزاج کا خاصہ رہے ہیں، رئیس الاحرار مرحوم نے بڑی فراخ دلی کے ساتھ جن قومی اور دینی قائدین کی شخصیات پر قلم اٹھایا ہے ان میں امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت مولانا حسرت موہانی رحمتہ اللہ علیہ، مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مولانا محمد علی جوہر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔۔۔۔عثمان رحمانی

حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ

اخبار میں دوستوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی (سابق صدر مجلس احرار اسلام ہند) عرصہ سے سینٹرل جیل منٹگمری (پنجاب) میں نظر بند ہیں حال ہی میں موصوف کا ایک مکتوب گرامی ناچیز مدیر ''الفرقان'' کے نام آیا تھا اگر چہ یہ خط بالکل پرائیویٹ اور نجی حیثیت رکھتا ہے، لیکن اس کے بعض اجزاء کا مطالعہ دوسرے حضرات کے لئے بھی مفید ہوسکتا ہے......اسلئے صرف وہی اجزا یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

''اللہ کا شکر ہے کہ اس نے جیل میں کسی قدر تنہائی کی لذت پیدا کردی ہے اور قرآن شریف کی تلاوت نصیب ہے، احیاء العلوم کا ترجمہ بھی آج کل یہاں مطالعہ میں ہے، کاش! یہ کتاب میں اب سے بہت پہلے دیکھتا''۔

''آپ کا مجدد الف ثانی نمبر'' (۱۳۵۷ھ) بھی یہاں کی فرصت ہی میں باطمینان دیکھ سکا ہوں میں نے اس میں خاص طور سے یہ چیز تلاش کی کہ وہ کونسی بات ہے جس کی وجہ سے آپ کو دنیائے اسلام کا ممتاز مجدد تسلیم کیا گیا، مگر جس کسی نے لکھا یہی لکھا ہے کہ اکبر نے جو بد دینی پھیلائی تھی آپ نے اس کا مقابلہ کیا بلکہ ازالہ فرمادیا، بدعات کی بیخ کنی فرمائی تصوف میں جو خلاف شریعت اُمور داخل ہوگئے تھے ان کو اس سے جدا کیا، بیشک یہ کام بھی بہت بڑے ہیں جو آپ نے سرانجام دیے ہیں، مگر اس قسم کی خدمتیں میرے خیال میں اور بزرگوں نے بھی انجام دی ہیں: اس لئے صرف ان کی بنیاد پر سلسلہ تجدید میں آپ کا امتیاز میری سمجھ میں نہیں آیا۔

اس سال رمضان شریف میں ''مکتوبات امام ربانی'' کا مطالعہ کررہا تھا اچانک ان مکتوبات پر نظر پڑی جن میں حضرت مجددؒ نے دین کی حقیقی بنیاد کو گویا ازسرِ نو استوار کیا ہے

جس کو اپنوں ہی کے ہاتھوں نے گویا گرادیا تھا، اس سے میری مراد منصب نبوت اور مقام ولایت کے متعلق ''خاص نیک بختوں'' کی وہ عالمی گمراہی ہے جس میں اس وقت کا دیندار اور خدا پرست گروہ عموماً مبتلا ہورہا تھا، یعنی نبوت کو ولایت سے دوم درجہ کی چیز کردیا گیا تھا، تصوف کا مقام اتنا بلند مان لیا گیا تھا کہ ولایت ہی حقیقی چیز سمجھ لی گئی تھی، نبوت اور جو کچھ نبوت کے ذریعہ آیا تھا، وہ سب تصوف اور صوفیا کی محبت پر قربان کردیا گیا تھا اور طریقت وحقیقت کو شریعت کا مقابل اور پھر اس سے افضل قرار دے کر شریعت کی اہمیت کو بالکل ہی گرادیا تھا۔

میرے خیال میں صرف حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اس گمراہی کی خطرناکی کا پورا احساس فرمایا اور اس کے خلاف پوری قوت سے آواز بلند کی اور بتلایا کہ اصل چیز اور مدار نجات نبوت اور شریعت کی اطاعت ہی ہے اور ولایت کی حیثیت نبوت کے مقابلہ میں بس اتنی ہے جتنی کہ سمندر کے سامنے قطرہ کی بلکہ اس سے بھی کم، اس مسئلہ میں آپ کا شرح صدر اس قدر ہوا کہ آپ نے مکتوبات میں متعدد جگہ صاف لکھا کہ ''مکتب شریعت کا ایک گرفتار طالب علم صاحب احوال ومواجید سچے صوفی پر فضیلت رکھتا ہے''۔

میرے خیال میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کی طرح کسی صوفی نے اس مسئلہ کو اس طرح صاف نہیں کیا، اور ان کے بعد بھی کسی نے اس طرف ایسی توجہ نہیں کی، حالانکہ یہ مسئلہ بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور ''خدا پرستوں'' میں بہت سی گمراہیاں نبوت وشریعت کا مقام نہ سمجھنے ہی کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، میرا جی چاہتا ہے کہ کوئی عالم اُن تمام مکاتیب کو اچھی ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کردے جن میں مقام نبوت وشریعت کے متعلق حضرت مجدد صاحب نے کچھ لکھا ہے، یہاں جیل ہی میں امام ربانی کے مکتوبات کی میں تیسری جلد دیکھ رہا تھا، بعض مکاتیب میں چند سطریں اس مسئلہ پر ہیں، جن میں علوم کے دفتر چھپے ہوئے نظر آئے۔

افسوس ہے کہ میں خود لکھنے سے معذور ہوں اور کوئی لکھنے والا دوست یہاں میرے ساتھ بھی نہیں ورنہ یہاں کی تنہائی اور فرصت میں کچھ ہوسکتا تھا۔

تبلیغی انجمنوں اور تبلیغی کتابیں شائع کرنے والے اداروں کے لئے قابل توجہ

’’جب کبھی سیاسی لوگ جیلوں میں آتے ہیں تو تمام مذہبی سوسائٹیاں اپنی مذہبی کتابیں تبلیغ کے لئے مفت بھیجتی ہیں اور بالخصوص عیسائی مشنری بے حساب انجیل تقسیم کرتی ہے، مگر مسلمانوں کی تبلیغی انجمنیں دوسرے کاموں کی طرح اس سے بھی بے پروا ہیں، معلوم نہیں ان کا وجود کس مرض کی دوا ہے، اسلام کے صحیح لٹریچر کے مطالعہ کے لئے جیل بہترین جگہ ہے اور یہاں کے مخصوص ماحول میں تعصب بھی باہر سے کم رہتا ہے، اس طرف توجہ کرنے کی خاص ضرورت ہے بالخصوص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور مسئلہ توحید کے متعلق مضامین اور قرآن پاک کے سادے ترجمے اگر جیل کے مسلم اور غیر مسلم قیدیوں کو بھیجے جائیں تو بڑا کام ہوگا۔ اس لٹریچر کی زبان خاص طور سے بہت سادہ ہونی چاہئے، میرا تجربہ ہے کہ غیر مسلم جس طرح حضرت شاہ عبد القادرؒ کے ترجمہ کو سمجھ سکتے ہیں اور کسی ترجمہ کو نہیں سمجھ سکتے، کاش قرآن پاک کے جدید حاشیے انہی کی سادہ اور آسان گھریلو زبان میں لکھے جائیں‘‘۔

والسلام

حبیب الرحمٰن سنٹرل جیل منٹگمری (پنجاب)

۶؍مئی ۱۹۴۱ء

مولانا حسرت موہانیؒ

مہینہ تو یاد نہیں ۱۹۱۲ء کی ایک صبح کو کسی صاحب نے دروازے پر دستک دی میں نے فوراً دروازہ کھولا، میرے سامنے ایک پروقار انسان جس کے چہرے پر متانت سنجیدگی، تقویٰ اور پرہیزگاری کے آثار نمایاں تھے، بہت ہی سادہ مگر صاف ستھرے لباس میں کھڑا تھا۔

آپ کا اسم گرامی:

فضل الحسن

سید فضل الحسن حسرت

جی ہاں!

میں نے فوراً مسجد دو منزلی کا وہ کمرہ جس میں میرے والد بزرگوار رہتے تھے، کھول دیا اور مولانا حسرت کو اسی کمرے میں ٹھہرایا، مولانا کا ایک دن قیام رہا، دوسرے دن آپ کسی دوسری جگہ جانے کے لئے روانہ ہوگئے، اس زمانہ میں مولانا حسرت بہت ہی خطرناک انسان سمجھے جاتے تھے، اس لئے حکومت کی طرف سے مولانا کی نقل وحرکت کی دیکھ بھال کے لئے سی آئی ڈی کے دو آدمی ہر وقت مولانا کی نگرانی کرتے تھے۔

اس سے پہلے مولانا کی زیارت کا کبھی اتفاق نہیں ہوا تھا، یہ پہلی ملاقات تھی، مولانا کو اپنے مکان پر دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہوئی اس کا کوئی کیا اندازہ کرسکتا تھا، مزاج پرسی اور رسمی گفتگو کے بعد میں نے عرض کیا کہ کیا لدھیانہ آپ کے تشریف لانے کا مقصد صرف قبلہ والد بزرگوار سے ملاقات کرنا ہے یا کچھ اور بھی؟

''انگریزی مال کا ہندوستان میں بائیکاٹ'' کی تحریک چلانا چاہتا ہوں اس سلسلہ میں علماء ہند سے فتویٰ حاصل کرنے کے لئے ایک مسودہ تیار کیا ہے، اس وقت دیوبند سے آرہا ہوں اس فتویٰ پر دارالعلوم دیوبند میں صرف شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ صاحب نے دستخط کئے ہیں، اس فتویٰ پر آپ کے والد صاحب سے دستخط لینے کے لیے لدھیانہ آیا ہوں اور اس بارے میں اور بھی بہت سی باتیں ان سے کرنی ہیں، چونکہ ان دنوں قبلہ والد صاحب مرحوم لدھیانہ تشریف فرما نہ تھے اس لئے اس فتویٰ پر مولانا والد صاحب کے دستخط نہ لے سکے، مولانا کے اس ڈیڑھ روزہ قیام کا میری طبیعت پر بہت اثر پڑا، اور مولانا نے اس قلیل عرصے میں ملکی وملی حالات پر مجھے بہت کچھ بتایا۔

مولانا کو دیکھ کر بار بار ایک سوال میرے دل میں پیدا ہوتا، لیکن پوچھنے میں ایک جھجک تھی آخر نہ رہا گیا، اور مولانا کے روانہ ہونے سے تھوڑی دیر پہلے جرأت کر کے پوچھ لیا۔

''آپ کی تندرستی اس قدر کیوں اچھی ہے؟''۔

''میرے دل کے کسی گوشے میں موت کا غم نہیں رہا، شہادت کا شوق بڑھتا جارہا ہے، تمام مشکلات سے گذر چکا ہوں، اب ایک ''پھانسی'' رہ گئی ہے، اس کے لئے خود کو ہر وقت تیار پاتا ہوں''۔

یہ جملے مولانا کی زبان سے بہت ہی والہانہ انداز میں ادا ہوئے میرے لئے ان جملوں میں بہت کچھ تھا اور ان سے میرے دل ودماغ کو جو اثر قبول کرنا چاہئے تھا وہی کیا۔

''اس وقت آپ کا ماہانہ خرچ کیا ہے؟''

''صرف پانچ روپے ماہوار سے میں اپنی زندگی اچھی طرح گذار سکتا ہوں، ضروریات زندگی کو کم سے کم کر دیا ہے''۔

میرے والد بزرگوار حضرت مولانا مفتی محمد زکریا صاحب کانپور میں حضرت مولانا احمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض تعلیم مقیم تھے، اسی طالب علمی کے زمانے میں مولانا حسرت موہانی مرحوم سے بہت گہرے تعلقات ہوگئے، مولانا حسرت کی

زندگی چونکہ بہت مخلصانہ تھی اس لئے ایک دوسرے سے اپنے خیالات کو چھپاتے نہیں تھے۔ والدصاحب سے مولانا کے کارناموں اوران کی پرمصائب زندگی کے حالات سننے کا اکثر موقعہ ملا، ایک دن مولانا کا تذکرہ ہورہا تھا کہ والدصاحب فرمانے لگے کہ حسرت کی طرح زندگی گذارنے والے انسان بہت ہی کم ہوں گے،آپ نے بتایا کہ ایک سفر میں حسرت میرے ہمسفر تھے، دوپہر کے وقت میرے ساتھ گھر کا کھانا بنا ہوا تھا، جو تین چار آدمیوں کے لئے کافی تھا، میں نے کھانا نکالا اور مولانا حسرت سے کھانا کھانے کے لئے کہا، میرے اصرار کے باوجود حسرت نے کھانا کھانے سے انکار کردیا، جب میں بہت بضد ہوا تو کہنے لگے بھائی میں کئی برس سے مسلسل روزہ رکھتا ہوں، میں جس راستہ پر چل رہا ہوں اس راستے کی ہر تکلیف کو برداشت کر لینے کے لئے جسم کو عادی بنانے کی کوشش کرتا ہوں۔

والدصاحب نے بتایا کہ مولانا کا یہ عمل تقریباً بیس برس جاری رہا،اورکسی دوست کو اس کا علم نہ ہونے دیا، دوپہر کے کھانے کے وقت عام طور پر ایسی بات کہہ دیتے کہ ساتھی بھی مجبور نہ کر سکتے۔

رسالہ ''اردوئے معلیٰ''، جس زمانے میں مولانا نے علی گڑھ سے نکالنا شروع کیا، اس وقت مولانا کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ آپ رسالے کے تمام نوکر رکھ کر انجام دے لیتے، بلکہ مولانا خود آپ کی مرحومہ بیگم صاحبہ اور آپ کا ایک وفادار خادم تینوں مل کر پریس کی ہینڈ مشین کو چلاتے تھے اور خود ہی جلدسازی کرتے تھے، غرضیکہ ڈاک تک پہنچانے کے کل امور خود ہی انجام دیتے تھے اور یہی آپ کا ذریعۂ معاش تھا۔

والدصاحب کے تعلقات کی بنا پر میں اکثر مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، ہر مرتبہ ملاقات کے بعد لوٹا، تو بہت کچھ لیکے لوٹا، آپ مجھے قومی اور ملکی سیاسیات نہایت ہی محبت اور شفقت سے سمجھاتے ۱۹۲۱ء میں عملی طور پر میری سیاسی زندگی کا دور شروع ہوگیا، اس پولیٹیکل زندگی میں کئی مرتبہ مولانا سے شدید اختلافات ہوگئے لیکن مولانا جب بھی ملتے اسی پہلی حمیت اور شفقت کے ساتھ ملتے اور میرے دل میں مولانا کا ادب واحترام پہلے سے زیادہ ہوتا گیا۔

۱۹۴۷ء میں مشرقی پنجاب کے اجڑنے کے ساتھ لدھیانہ بھی اجڑا، میں بھی بے وطن ہوکر دہلی آ گیا، ان دنوں مولانا مجلس قانون ساز کے ممبر تھے، ملاقات کے وقت جن مصائب سے ہم گذرے تھے ان کا ذکر فرما کر بہت ہمدردی فرمائی، قبلہ والد صاحب مرحوم کے انتقال کی خبر سن کر بہت رنجیدہ ہوئے اور دیر تک ان کا تذکرہ کرتے رہے، مجلس قانون ساز کے سلسلے میں جب کبھی بھی دہلی تشریف لاتے تو ہمیشہ مجھ سے اور بچوں سے محبت وشفقت کی باتیں کرتے۔

آخری ملاقات

۲۴/اپریل ۱۹۵۱ء کو میں اپنے کسی کام سے لکھنؤ پہنچا، برخوردار خلیل الرحمٰن اور انیس الرحمٰن میرے ہمراہ تھے، لکھنؤ پہنچ کر مجھے معلوم ہوا کہ مولانا حسرت تقریباً دو ماہ سے بیمار ہیں اور مولانا جمال میاں صاحب کے مکان پر بغرض علاج بچوں سمیت قیام پذیر ہیں، ۲۵/اپریل کی صبح کو دونوں برخوردار کو ہمراہ لیکر مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے فرنگی محل مولانا جمال میاں صاحب کے مکان پر پہنچا، مولانا جمال میاں مکان پر موجود تھے بہت اخلاق سے پیش آئے، اور ہم سب مولانا جمال میاں صاحب کے ہمراہ ان کے مکان کے دوسرے حصے میں مولانا حسرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، میں نے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اب سچے گھر کی طرف جانے کی تیاریاں ہیں، سلام عرض کر کے برابر کی چارپائی پر بیٹھ گیا، مولانا نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے میری طرف بڑھایا، میں نے فوراً مولانا کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور کچھ توقف کے بعد عرض کیا۔

آپ کو یاد ہوگا کہ پہلی مرتبہ آپ ۱۹۱۲ء میں لدھیانہ تشریف لائے تھے میرے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا تھا میں اتنا تندرست اس لئے ہوں کہ میرے دل کے کسی گوشے میں موت کا خوف باقی نہیں رہا۔

یاد ہے! مولانا نے فرمایا:

میں نے پھر کہنا شروع کیا کہ ایک انسان بنی نوع انسان کے لئے اور ایک مسلمان اسلام کے لئے اپنی زندگی میں جو بہتر سے بہتر خدمت کرسکتا ہے آپ نے اس میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، اللہ تعالیٰ کے ہاں کسی کا کوئی عمل رائیگاں نہیں جاتا آپ کو بھی اس کا اجر ضرور ملے گا۔

مولانا نحیف آواز میں بولے ''اس میں شبہ ہے'' اور ساتھ ہی مولانا کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے، مولانا کا یہ جواب کس قدر خدا کے خوف میں ڈوبا ہوا تھا، ایسا جواب ایک روحانی پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والا آدمی ہی دے سکتا ہے۔

تقریباً بیس منٹ ہم مولانا کی خدمت میں بیٹھے رہے، چلتے وقت میں نے مولانا سے دعا کی درخواست کی کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو، اس کہنے سے مولانا کی آنکھیں پرنم ہوگئیں اور غور سے میری طرف دیکھنے لگے۔

اس کے بعد ہم سب نے مولانا سے مصافحہ کیا اور یہاں سے مولانا جمال میاں کے کمرے پہنچے، مولانا حسرت کے نئے کلام کا مجموعہ اسی وقت چھپ کر آیا تھا، اس کی ایک کاپی مولانا جمال میاں صاحب نے مجھے عنایت فرمائی، مولانا جمال میاں صاحب کی میرے دل میں بہت عزت بڑھ گئی، آپ نے مولانا کی خدمت ان کے آخری وقت میں جس تن دہی، محبت اور اخلاص سے کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں، اللہ تعالیٰ مولانا جمال میاں صاحب کے اس عمل کو قبول فرمائے۔

مولانا حسرت آج کل کی زبان میں سچے مسلمان اور سچے کمیونسٹ تھے یہی وجہ تھی کہ وہ کسی جماعت میں کھپ نہ سکے، مولانا ہندوستان کی سیاسی زندگی کا ایک اہم باب تھے، آپ کے انتقال کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ کا ایک باب بند ہوگیا، مولانا ہم سے جدا ہوگئے لیکن اتنی پرخلوص زندگی کے نقوش ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے جو بعد میں آنے والوں کے لئے مشعل راہ ہیں، وہ ایک بہادر اور مخلص سپاہی تھے جو نتائج سے بے خبر ہو کر ملکی وملی خدمت انجام دیتے ہوئے ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئے۔

انالله وانااليه راجعون

مولانا عبیداللہ سندھی

مولانا عبید اللہ سندھی جاں فروش علم بردار حدیث ،جید عالم اور مفکر تھے ، لیکن افسوسناک بات یہ ہے کہ ہم نے انہیں فراموش کردیا جن کی زندگی عمل پیہم اور مجاہدہ تھی آج بھی اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ابنائے وطن عموماً اور مسلمانان ہند خصوصاً آپ کی مجاہدانہ زندگی اور انقلابی تحریک کا مطالعہ کریں اوراس سے مستفید ہوں آپ کی زندگی آپ کی تحریک اورارشادات مستقل حیثیت رکھتے ہیں اورآج کے بدلے ہوئے حالات میں بھی پوری طرح نشان راہ کا کام انجام دیتے ہیں۔

حب قوم رواں کا پورا چکر کاٹ کر نئے سرے سے زندگی کے لئے تگ ودوشروع کرتی ہےتو عہد زداں کے انہیں بزرگوں جنہوں نے قوم کے زوال کی روک تھام کے لئے جان توڑ کوششیں کی تھیں کے افکار سے قوم کے دماغوں میں نئی حرکت اوران کے دلوں میں نئے ولولے پیدا ہوئے ہیں ، اوراسی طرح نئی نسلیں دان نفسہائے امید سے نئی زندگی حاصل کرتی ہیں۔(پیش لفظ مولانا عبیداللہ سندھی اوران کے ناقد)

آپ ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں اپیانوانی میں ۱۰/مارچ ۱۸۷۲ء میں ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے آپ کے نانا سکھ تھے اورانہیں کے اصرار پرآپ نے سکھ نیتھ مذہب اختیار کیا،آپ کے والد کا نام رام سنگھ تھا جوآپ کی پیدائش سے چار ماہ پہلے انتقال کرچکے تھے دادا کے مرنے کے بعد آپ کی والدہ میکے لے آئیں ،اوروہاں چھ سال کی عمر سے جام پور کے اردو مڈل سکول میں آپ کی تعلیم شروع ہوگئی۔

مطالعہ اسلام اور قبول اسلام

کوئی بارہ برس کی عمر ہوگی کہ ایک آریہ سماجی کی معرفت آپ کو پنڈت اننت رام جو بعد میں مسلمان ہو گئے اور اپنا نام عبید اللہ رکھا کی کتاب تحفۃ الہند املی جس کے مطالعہ کے بعد آپ کے دل و دماغ میں نئے ولولے اور نئے خیالات پیدا ہونے لگے۔ پھر دوسرے دوستوں کی معرفت مولانا اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان پڑھنے کا موقعہ ملا اور ایک پنجابی کتاب احوال الآخرۃ کے مطالعہ کے ساتھ آپ نے نماز سیکھ لی اور تحفۃ الہند کے مصنف کے نام پر اپنا نام عبید اللہ رکھا۔ بہر حلال سنت تطہیر کے بعد اظہار اسلام کی غرض سے اور اعزہ کے تعاقب سے بچنے کے لئے آپ سندھ چلے گئے اور حافظ محمد صدیق صاحب بھر چونڈوی والے کی خدمت میں پہنچ گئے، جنھوں نے حق پدری ادا کیا اور اسی وجہ سے مولانا سندھ کو اپنا وطن مانتے تھے حافظ محمد صدیق صاحب اس وقت کے جنید اور سید العارفین تھے، مولانا کا کہنا ہے کہ ان کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ اسلامی معاشرت ان کی طبیعت ثانیہ بن گئی۔

آپ نے پھر ریاست بھاولپور کی ایک دیہاتی مسجد میں عربی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی پھر دارالعلوم دیوبند میں داخل ہو گئے وہاں ان کی ذہنیت دیکھ کر سید احمد دہلوی مدرس اول نے کہا کہ تو شاہ عبدالعزیز ثانی ہوگا۔ آپ نے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا بہر حال معروف علماء وقت کے آگے آپ نے زانوئے ادب تہہ کئے اور اسلام پر کما حقہ بصیرت حاصل کی آپ نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ ۱۳۰۸ھ میں حضرت شیخ الہند نے اجازت نامہ تحریر فرما کر بھیج دیا اور مولوی کمال الدین صاحب نے مجھ سے سنن ابی داؤد پڑھی ۱۳۰۸ھ میں آپ دوسرے خلیفہ مولانا ابوالحسن تاج

محمد صاحب کے پاس امروٹ ضلع سکھر چلے گئے، انہوں نے آپ کا نکاح سکھر کے اسلامیہ سکول کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خاں یوسف نوی کی لڑکی سے کرایا، اور مولانا کی والدہ کو بلایا جو تاحیات آپ کے گھر پر رہیں پھر آپ نے حدیث اور فقہ حنفی پر کام کیا، جس کو علماء دیوبند نے بہ نظر تحسین دیکھا، امروٹ واپس آکر دار اسرشاد گوٹھ پر جھنڈا قائم کیا، بعض عربی اور سندھی کتابیں جو نایاب تھیں طبع کرائیں اور ایک ماہوار رسالہ ہدایت الخوان شائع کیا، یہاں آپ نے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی اور خواب میں امام مالک کو دیکھا۔

سیاسی تحریک کی ابتدا

شیخ الہندؒ کے ارشاد پر آپ دہلی منتقل ہو گئے، وہاں آپ کا تعارف ڈاکٹر انصاری مولانا ابوالکلام اور مولانا محمد علی سے ہوا ویسے بھی ایک پنجابی گھرانے سے تعلق رکھنے کے سبب آپ وہاں کے تکلیف دہ حالات سے متاثر تھے مولانا اسماعیل شہید کی تحریروں نے آپ کی وجدانی کیفیت کو ابھارا قومی رہنماؤں کی ملاقاتوں نے آپ کو قومی تحریک سے قریب سے قریب تر کیا، اب تک آپ علوم اسلامیہ کی تحصیل میں مصروف تھے اور اب ان علوم کی روشنی میں آپ قومی تحریک کی راہ پر آرہے تھے اور وہاں کی ایک سیاسی جماعت سے منسلک ہو گئے۔

اس حالت میں شیخ الہندؒ کے حکم پر ۱۹۱۵ء میں پوشیدہ طور پر آپ کابل گئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو کابل کی ہجرت کا حکم اتحاد اسلام کی موجود ہونے کے سلسلے میں دیا گیا تھا جس کا ایک نتیجہ تحریک خلافت کو کہہ سکتے ہیں مولانا نے اپنی سوانح میں لکھا ہے کہ امیر حبیب اللہ اتحاد اسلام کے کام سے ہندوستان کام کو زیادہ پسند کرتے تھے انہیں کے حکم پر مولانا نے ہندوؤں سے مل کر کام کرنا شروع کیا، اور امیر امان اللہ کے دور میں ۱۹۲۲ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے گیا سیشن میں منظور پورا برٹش امپائر (Britishe Emire) سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی تھی، جس کے آپ صدر ہوئے اور اس طرح ملک سے باہر رہ کر ملک کی خدمت اور اس کی نجات کی جدوجہد میں مصروف ہو گئے، تب سے آپ کی ایک مستقل حیثیت ہو گئی، اور کانگریس کمیٹی کے ایک عہدیدار ہونے کی حیثیت سے آپ ہر جگہ عزت پاتے رہے، مولانا فرماتے ہیں کہ کانگریس کو بین الاقوامی تعارف حاصل ہے، افغانستان، روس، ترکی ہر جگہ مولانا کو کانگریسی ہونے کے سبب سہولتیں بہم پہونچائیں گئی۔

ترکی جاتے ہوئے آپ نے سات ماہ کے لئے روس میں قیام کیا، یہ روس کا انقلابی دور ۱۹۱۴ء تھا، وہاں آپ نے ایک فرسودہ نظام شہنشاہی کو گرتے دیکھا، جو غریبوں کی پرواہ نہیں کرتا تھا، اور ان کی محنت پر عیش ونشاط کی محفلیں گرم کرتا تھا، وہاں غریبوں اور پامال مزدوروں اور کسانوں کے علم بغاوت کو زار شاہی کے درودیوار پر نصب پایا۔

زمانے کے انداز بدل گئے

کانگریسی ہونے کی وجہ سے سویت روس نے آپ کو اپنا معزز مہمان بنایا، اور مطالعہ کی ہر سہولت فراہم کی، عام طور پر لوگوں میں چرچا ہے کہ آپ لینن کے مہمان تھے، اور آپ کو اس کی محبت نصیب تھی، مولانا نے اس کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ غلط ہے کہ میں لینن سے ملا، کامریڈ لینن اس وقت ایسا بیمار تھا کہ قریبی دوستوں کو نہیں پہچان سکتا تھا، ۱۹۲۴ء میں انقرہ پہونچے، سفیر ترکیہ متعین ماسکو اور وزارت خارجہ ماسکو نے آپ کے سفر اور راہ کا تعین کیا، تاکہ برطانوی عملوں اور کارندوں کو خبر نہ ہوسکے۔

بہر حال آپ جب ترکی پہونچے تو مصطفیٰ کمال اتاترک کی رہنمائی میں ترکی نشأۃ ثانیہ ہورہی تھی، فرسودہ نظام کی جگہ ایک خالص قومی اور ترقی پذیر نظام کا سنگ بنیاد رکھا جارہا تھا۔

وہاں مولانا عبید اللہ نے اتحاد اسلام کی کوئی گنجائش نہ پائی، ترکی کے لئے ہندوستانی مسلمانوں نے جو تحریک خلافت شروع کررکھی تھی، وہاں کی معاشرتی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے مولانا نے بتایا ہے کہ کمال پاشا نے دیہاتیوں کو.......کے برابر کردیا۔

آپ کے ایک معمولی خط پر لالہ لاجپت رائے آپ سے ملاقات کرنے اور تبادلہ خیالات کرنے کے لئے ترکی گئے۔

۱۹۱۵ء میں حج کے موقعہ پر مکہ معظّمہ میں سوئمبر منعقد ہوئی اس کی شرکت کو ہندوستان دوستوں سے ملاقات کرنے آپ وہاں گئے آپ سوئمبر کے بعد پہونچ سکے، آپ مکہ معظّمہ

میں ۱۴؍سال تک علمی مشاغل میں مشغول رہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی کوششوں سے حکومت برطانیہ نے واپس آنے کی اجازت دے دی، اور آپ کوئی چوبیس سال بعد ۱۹۳۹ء میں وطن عزیز واپس ہوئے۔

آتے ہی آپ نے بتایا کہ اوراس عمر میں خانہ کعبہ میں باقی دن گذارنا بہتر تھا، لیکن اپنے علم احساسات اور تجربات سے ملک کے نوجوانوں کو آشنا کرنے نیز ملک عزیز کی خدمت کا جذبہ ہی ہندوستان کھینچ لایا، آپ عمر طبعی کو پہنچ چکے تھے، آرام کی سخت ضرورت تھی، لیکن ملک عزیز کے روشن چہرے پر غلامی کا دھبہ اور مسلمانوں کی کج روی مولانا کو حد درجہ پریشان کئے ہوئے تھی، قومی محاذ سے مسلمانوں کا الگ ہوجانا اور ان سے پیدا ہونے والے حالات کے اندیشہ نے مولانا کو ایک پل چین نہ لینے دیا ان کی غیر حاضری میں مسلمانوں نے ایک عجب طریقہ اختیار کرلیا تھا، قدرتی طور پر اس کے کچھ لازمی نتائج برآمد ہونے والے تھے، جو بہت ہی اندوہناک نظر آرہے تھے، مولانا کی دور بینی ان حالات کو پڑھ رہی تھی جس سے ہم دوچار ہوئے اور جس کا خمیازہ ہم بھگتتے رہیں گے جب تک ان کی پیش کردہ راہ پر گامزن نہ ہوں۔

مولانا گاؤں گاؤں پھرے دستک دے دے کر مسلمانوں کو مخاطب کیا افتراق پسندی سے پیش آنے والے نتائج سے متنبہ کیا قومی راستہ سے علیحدگی پر ڈانٹا مسلم لیگ کے دعوؤں کو باطل قرار دیا، اور مسٹر جناح کی قیادت کو گمراہ کن بتایا اور قرآن کی روشنی میں متعین کردہ راہ کی ترویج واشاعت میں لگ گئے۔

کئی بار ایسا ہوا کہ دوران تقریر آپ پر غشی طاری ہوگئی ہوش وحواس درست کر کے آپ نے سلسلہ تقریر جاری رکھا حالت بد سے بدتر ہوگئی، لیکن جدوجہد سے باز نہ آئے۔ آخر جب حالت غیر ہوگئی تو آپ اپنی صاحبزادی اور نواسے کی درخواست پر دین پور ریاست بھاولپور تشریف لے گئے اور وہیں ۲؍اگست ۱۹۴۴ء کو وفات پائی۔

مولانا نے قومی مسائل کے کسی پہلو کو اپنی پرواز فکر سے پرے نہیں رکھا ان مسائل کو تاریخی واقعات اور حالات کی روشنی میں جانچا اور عوام کو ان کے حل سے آگاہ کیا۔

مسلمانوں کے تمام مذہبی وسیاسی مسائل خاص طور پر ان کے زیر غور رہے اور آپ نے غور وفکر کے نتیجہ سے مسلم خواص وعوام کو آگاہ کیا، مولانا نے کوئی بات ان کہی نہیں چھوڑی، لیکن مسلمانوں کے ذہن میں کچھ ایسا زہر بھر دیا گیا تھا کہ سنی ان سنی کر دیتے تھے۔

آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی قائم کردہ سندھ ساگر اکیڈمی ٹمپل لاہور آپ کی تصنیفات اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی تصنیفات کے اردو ترجمہ شائع کرتی رہی نہ جانے پاکستان بننے پر ان پر کیا گذری اور ان کا سلسلہ اشاعت جاری ہے یا نہیں۔

مولانا محمد علی جوہر

مولانا محمد علی کی زندگی کے ایک گوشے کو ہم نے بیان کیا ہے، مولانا محمد علی تو بڑی جامع صفات شخصیت تھے، وہ ایک بلند پایہ صحافی شعلہ بیان مقرر جادونگار ادیب نعرہ گو شاعر اور سب سے بڑھ کر ملک کی تحریک آزادی کے سب سے بڑے رہنما تھے، ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے، کہ انہوں نے ملک کی آزادی کی قیادت کی، اور برطانوی سامراج کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دیا، محمد علی اسلام کے پرستار تھے، اور اس بنا پر ملک کی آزادی کے علمبردار تھے، مولانا پر یہ حقیقت بھی آشکار ہوگئی کہ مشرقی وسطی کے اسلامی ممالک کی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ ہندوستان آزاد ہو، مولانا کی یہ رائے کس قدر صائب تھی، اس کا اندازہ موجودہ واقعات سے ہوتا ہے، کہ برصغیر پاک وہند ۱۹۴۷ء میں آزاد ہوا اور چند ہی برسوں میں انگریز کو مجبوراً اسلامی ممالک سے دست کش ہونا پڑا۔

۱۹۱۹ء میں جیل سے رہا ہونے کے بعد مولانا محمد علی نے ملک کی تحریک آزادی کا پروگرام مرتب کیا، ۱۹۱۹ء میں برطانوی سامراج اپنے انتہائی عروج پر تھا، جرمنی کو شکست دینے کے بعد انگریزوں کی سطوت وشوکت میں بے حد اضافہ ہو چکا تھا، اور بلاشبہ انگریز اس دور میں دنیا کی سب سے بڑی طاقت تھی، ہندوستان کی فضا آزادی کے لئے سازگار نہ تھی، یہ تسلیم ہے کہ تعلیم یافتہ طبقہ میں تحریک آزادی کا کس قدر چرچہ تھا، مگر ملک کی عام آبادی تحریک آزادی سے بیگانہ تھی انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کے بعد بے حد ظلم وتشدد اور وحشیانہ بربریت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اور ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ آزادی کے بعد لوگوں میں آزادی کی آرزو افسردہ ہوکر رہ گئی تھی۔

سرکار برطانیہ کی برکات عوام وخواص کی زبان پر تھیں پیشتر مذہبی پیشوا انگریزی سرکار

کے تھے۔ اور انگریزوں کے سائے تلے ریاستی حکمران اور جاگیردار عوام کو کچل رہے تھے ملک بھر میں پولیس راج تھا، ملک کو غلامی سے نجات دلانے کے لئے قومی پیمانے پر تحریک آزادی کو منظّم کرنے کی ضرورت تھی، تاکہ برطانیہ جیسی جابر قوت کو شکست دی جائے، اس عظیم مقصد کے لئے عوام میں جذبہ حریت و آزادی پیدا کرنے کی ضرورت تھی کہ وہ وطن کی آزادی کے لئے اخلاص وایثار سے کام لیں، اور سامراجی قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار ہوں، ہندوستان جیسے وسیع ملک میں جو مختلف اقوام اور صوبوں میں بٹا ہوا تھا، یہ جذبہ پیدا کرنا بہت ہی مشکل اور منزل ہفت خواں سر کرنے کے مترادف تھا۔ ملک کے اکثر و بیشتر سیاسی کارکن اعتدال پسند تھے، ان نازک حالات میں مولانا محمد علی نے ملک میں تحریک آزادی منظّم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ہندوستان کے عوام نہتے اور بے دست و پا تھے، اس بنا پر مسلح بغاوت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ان حالات کے پیش نظر برطانیہ حکومت کا مقابلہ کرنے کے لئے یہی راستہ تھا کہ حکومت سے عدم تعاون کیا جائے، سرکاری ملازم اپنی ملازمت ترک کردیں طالب علم سرکاری درسگاہوں کو خیر باد کہیں، سرکاری عدالتوں کا بھی بائیکاٹ کیا جائے وکیل اپنی پریکٹس چھوڑ دیں نیز عوام سول نافرمانی کریں ان انقلاب آفریں تجاویز کو عملی جامہ پہنانا کوئی آسان کام نہیں تھا، پہلی منزل تو ملکی سیاسی جماعتوں سے ان پروگرام کی منظوری تھی، چنانچہ مولانا محمد علی اور گاندھی جی نے خلافت اور کانگریس سے ترک موالات کا پروگرام منظور کرایا دسمبر ۱۹۲۰ء میں ناگپور میں یہ فیصلہ کیا گیا اور مولانا محمد علی نے ملک بھر میں تحریک کا آغاز کیا، چند ہی دنوں میں ترک موالات کی تحریک ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئی۔

محمد علی کی ولولہ انگیز تقریروں نے ملک بھر میں ایک آگ لگادی، ہزاروں لوگوں نے سرکاری ملازمتیں ترک کردیں، لاکھوں رضا کار جیل جانے کے لئے آمادہ ہوگئے۔ لاکھوں عوام جذبۂ آزادی سے اس قدر سرشار تھے کہ وہ لاٹھیوں اور گولیوں کی پروانہ کرتے تھے، نوجوان آزادی کی راہ میں اپنی جان کی بازی لگانے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، اگر فوج یا

پولیس کی گولیوں سے ایک مجاہد آزادی شہید ہوتا تھا تو بیسوں اس کی جگہ لینے کے لئے تیار تھے، ہزاروں طالب علموں نے اپنی تعلیم کو خیر باد کہہ کر تحریک آزادی میں شرکت کی لوگ بدیشی کپڑوں کو ڈھیروں کی صورت میں جمع کرتے اور ان کو آگ لگا دیتے، جب مقرر جلسوں میں تحریک آزادی کے لئے چندہ مانگتے تو عورتیں اپنے زیور تک اتار کر دے دیتیں، غرضیکہ تحریک آزادی ملک میں بڑے بھر پور طور پر جاری ہوگئی، برطانوی حکمرانوں کا خوف عوام کے دلوں سے نکل گیا، بلکہ جو لوگ برطانوی حکومت کے ہمنوا تھے انہیں شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اور وہ حالت یہاں تک ہوئی کہ حکومت کے ہمنوا حضرات کو عوام اپنے قبرستانوں میں مردے بھی دفن نہ کرنے دیتے تھے۔

ملک میں یہ فضا قائم کرنے میں سب سے زیادہ مولانا محمد علی کا حصہ تھا، جنہوں نے خود اپنے ذاتی ایثار سے عوام کی رہنمائی کی، اس اعتبار سے محمد علی تحریک آزادی کے سب سے بڑے ہیرو کی حیثیت رکھتے تھے، تحریک آزادی ملک بھر میں بڑے زور شور سے جاری تھی کہ ۱۹۲۱ء میں مولانا محمد علی گرفتار کر لئے گئے، اور ان پر کراچی میں مقدمہ چلایا گیا اس مقدمہ میں مولانا محمد علی کے بیانات تاریخی حیثیت رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے موقف کی بڑی جرأت و ہمت سے تشریح کی، اور بڑے شوق سے اس جرم کو قبول کیا کہ وہ ہندوستان سے برطانوی راج کا خاتمہ چاہتے ہیں، مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء کو دو دو سال قید کی سزا دی گئی، محمد علی کے قید ہونے سے تحریک آزادی میں نئے جوش و خروش کا آغاز ہوا، محمد علی کی والدہ بی اماں اور بیگم محمد علی نے ملک بھر میں دورے کئے غرضیکہ محمد علی کی قید بھی تحریک آزادی میں اضافہ کا موجب تھی۔

بی اماں لدھیانہ بھی تشریف لائیں جہاں ہم نے ان کا انقلابی استقبال کیا، آپ کو کھلی کار میں بٹھا کر شہر بھر میں حکومت کے خلاف جلوس نکالا گیا جس میں ہزاروں افراد شامل ہوئے، انگریز حکومت مفلوج ہو چکی تھی، سارا ملک آزادی کے نعروں سے گونج رہا تھا، عجب

اخلاق وایثار کی فضا تھی چشم فلک نے ایسا نظارہ بھی نہ دیکھا ہوگا، ملک بھر میں بیداری پیدا ہورہی تھی، عوام کی قیادت نہایت مخلص اور قابل رہنماؤں کے ہاتھ تھی، جو عصبیت سے بالا تر تھے، ملک آزادی کے دروازے پر دستک دے رہا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگریزوں کی حکومت چند دنوں کی مہمان ہے، مگر اس دور میں بعض عصبیت پسند ہندو تحریک آزادی کی اس روش سے پریشان تھے، جن میں پنڈت مدن موہن مالویہ پیش پیش تھے، مالویہ جی نے مہاتما گاندھی کو بنارس یونیورسٹی کا رخ نہ کرنے دیا اس طرح ترک موالات کی مخالفت کی، مگر اس کے باوجود گاندھی جی مالویہ سے متاثر نہ تھے، مالویہ اس بات سے مخالف تھا کہ ملک کی تحریک آزادی میں مسلمان فعال عنصر کی حیثیت رکھتے ہیں، نیز تحریک آزادی میں انقلابی عناصر کا غلبہ ہے، اگر اس مرحلہ پر ملک آزاد ہوگیا تو اقتدار پر جوش نوجوانوں کے ہاتھ ہوگا جو کہ مذہبی تعصب سے بلند ہوں گے، اور اس طرح پنڈت مالویہ کے رام راج کے منصوبے آشنائے تعمیر نہ ہوں گے۔

پنڈت مالویہ نے ہندوؤں کو اس بات سے خوفزدہ کیا کہ انگریزوں کے چلے جانے کی صورت میں افغانستان ہندی مسلمانوں کی اعانت سے ہندوستان پر قبضہ کرلے گا، چنانچہ پنڈت مالویہ نے گاندھی جی اور وائس کے درمیان نامہ و پیام شروع کیا، اور گاندھی جی پر اثر ڈالتے رہے کہ وہ تحریک کو ختم کردیں، انہی دنوں میں چوراچوری کے مقام پر پولیس کے ظلم وتشدد سے تنگ آکر عوام نے تھانے کو چند سپاہیوں سمیت جلادیا۔

پنڈت مالویہ موقعہ کی تلاش میں تھے، چنانچہ انہوں نے گاندھی جی کو پہلے تو ٹیلیفون پر کو اطلاع دی کہ لاہور کے مسلمان آپ کی رائے کے خلاف ہیں اس لئے بہتر ہوگا کہ اس موقعہ پر تشریف نہ لائیں انہوں نے کہا اس صورت میں تو میں ضرور آؤنگا کیونکہ میں مخالف سے نہیں گھبراتا، اور چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا ایجی ٹیشن صحیح خطوط پر ہو، چنانچہ وہ لاہور تشریف لائے، رات کو شاہی مسجد میں جلسہ ہوا، ہزاروں آدمی شریک ہوئے، مولانا محمد علی نے تقریر کی، کچھ آدمیوں نے شور مچایا، مگر مولانا ذرا نہ گھبرائے، اور انہوں نے درود پڑھنا

شروع کر دیا، اس پر کچھ آدمی چلے گئے، بقیہ نے سکون کے ساتھ تقریر سنی، مولانا کے دلائل سن کر ان کے ہمنوا ہو گئے، مولانا کی تقریر کے بعد میں نے ان کا شکریہ ادا کیا، اور کہا کہ مولانا کے دل و دماغ میں وہ تمام خوبیاں جمع ہیں، ان کے پاس جارج (اس وقت کے برطانوی وزیر اعظم) کا دماغ اور کلیمنٹو (اس وقت کے شیر دل فرانسیسی وزیر اعظم) کا دل ہے، ہمیں ان کی صحیح رہنمائی کا شکریہ ادا کرنا چاہئے۔

آخر میں مولانا سے ۱۹۲۹ء میں ملاقات ہوئی، اس وقت کانگریس کا اجلاس دریائے راوی کے کنارے منعقد ہوا، مجلس استقبالیہ میں شدید رسہ کشی ہوئی، آخر ڈاکٹر گوپی چند بھارگو کی پارٹی غالب آئی، اس کا یہ اثر ہوا کہ ڈاکٹر ستیہ پال کے ساتھ ہونے کی وجہ سے احرار نے اس جلسہ میں دلچسپی نہ لی، ڈاکٹر گوپی چند کی پارٹی نے غلبہ کی وجہ سے نمائندے بھی زیادہ تر ہندو بھیجے، اس لئے اجلاس میں مسلمانوں کی شرکت کم ہوئی، مولانا محمد علی نہرو رپورٹ میں ان کے مطالبہ آزادی کے استرداد کی وجہ سے کانگریس سے الگ ہو گئے، وہ اس زمانے میں خلافت کانفرنس میں شرکت کے لئے آئے، خلافت کانفرنس زیادہ تر سید طیب کی مساعی سے کامیاب ہوئی، مولانا شوکت علی بے حد مسرور تھے کہ مولانا ظفر علی خان اور احرار کے گڑھ لاہور میں ان کو اجلاس کرنے کا موقع ملا، مولانا محمد علی کانگریس کی سج دھج دیکھنے کے لئے کانگریس کے پنڈال میں تشریف لے گئے، میں ان سے وہیں ملا، اور ان کی خدمت میں عرض کیا کہ اب نہرو رپورٹ ختم ہو چکی ہے، آپ کا مطالبہ آزادی کانگریس نے تسلیم کر لیا ہے، اس لئے اب آپ پھر کانگریس سے رشتہ ......اختیار کریں، مولانا ہنس کر خاموش ہو گئے۔

مولانا محمد علی بڑی بلند شخصیت کے حامل تھے اور وہ نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر اسلامی ممالک میں بھی بڑی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، چنانچہ ان کی وفات لندن میں ہوئی تو فلسطین کے عرب رہنماؤں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ محمد علی کو بیت المقدس کی سرزمین میں دفن کیا جائے۔

چنانچہ محمد علی کی نعش بذریعہ جہاز پورٹ سعید پہونچی تو حکومت مصر کی جانب سے وزیر اعظم اور علماء نے استقبال کیا، جب یہ جنازہ بیت المقدس پہونچا تو ہزاروں لوگ جمع تھے، قاہرہ کے علماء اور تیونس کے عرب شعراء نے پردرد مرثیوں سے فضا کو معمور کیا۔ مصر کے شاعر احمد شوقی پاشا نے ایک بلند پایہ مرثیہ میں مولانا محمد علی کو خراج عقیدت پیش کیا، یہ مرثیہ مولانا مرحوم کی تاریخی خدمات کا اجمالی تذکرہ ہے، مرثیہ ملاحظہ فرمائیں اے قدس تو اپنی تربت کے مہمان کی وجہ سے قابل مبارکباد ہے۔

آج تو اس کی ملاقات سے سرفراز ہو، نبی نے اس لئے اپنے براق کے بیٹھنے کی جگہ کھول دی اور اس کے آنے کا مقام وہ ہے جہاں نبی رات کو گئے تھے، مشرق کے حقوق کے لئے لڑنا اس کا کام تھا۔

مشرق کے لئے جو اس کی تڑپ تھی یا ہندوستان کے واقعات کے لئے اس کی جو بے خوابی تھی اسے عزیز ہندوستان بھلا نہیں سکتا فیل اپنی مصیبتوں میں اس کی آواز کو یاد کرے گا، اور ترک اس کی سچی تڑپ کو فراموش نہیں کریں گے۔

اس نے زندگی میں وہاں کے باشندوں کی مدد اور اعانت کی پھر وہ وہاں کے لئے اجنبی کیسے ہوسکتا ہے۔

جمعیۃ علماء ہند کے بانی اور اس کے معمار اوّل

فقیہ الامت مولانا مفتی کفایت اللہؒ

پہلی جنگ عظیم میں ہندوستان کے تمام مقتدر مسلمان رہنما نظر بند کر دیئے گئے تھے، اور حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ اور آپ کے رفقاء کار حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ حضرت مولانا عزیز گل صاحب مولانا حکیم نصرت حسین صاحب مرحوم مولانا وحید احمد صاحب مرحوم کو مکہ معظّمہ سے گرفتار کر کے مالٹا پہنچا دیا گیا اور آپ کے جو ساتھی ہندوستان میں تھے وہ تقریباً سب کے سب ہندوستان میں نظر بند کر دئے گئے، مولانا محمد علی مرحوم، مولانا شوکت علی مرحوم اور مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو بھی حکومت ہند نے گرفتار کر کے ہندوستان کے مختلف مقامات پر نظر بند کر دیا تھا۔ حکومت کی اس متشددانہ پالیسی کے باوجود جن حضرات نے حوصلہ اور پامردی کے ساتھ ملک کی رہنمائی کی۔ ان میں سب سے پہلے مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب مرحوم اور آپ کے ساتھیوں میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری مرحوم، حکیم اجمل خان صاحب مرحوم اور حضرت مولانا عبد الباری صاحب مرحوم، فرنگی محل کے اسماء گرامی ہندوستان کی تاریخ سیاست کے صفحۂ اوّل پر نظر آتے ہیں، برطانوی استعمار کے خلاف نظر بند لوگوں کی رہائی کے مطالبہ کے عنوان سے تحریک منظّم طریقہ سے چلانے کا فیصلہ کیا گیا چنانچہ اس وقت حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم کے ذہن میں جمعیۃ علماء ہند کے بنانے کا خیال پیدا ہوا۔ اگر چہ اس سے پہلے مولانا عبدالباری صاحب مرحوم نے ''علماء ہند'' کے نام سے ایک جماعت کے بنائے جانے کے خیال کا اظہار کیا تھا۔ لیکن وہ اپنی کثیر مصروفیتوں کی وجہ سے اس طرف دھیان نہ دے سکے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب مرحوم نے ''جمعیۃ علماء ہند'' کی داغ بیل ۱۹۱۸ء میں دہلی میں ڈالی۔اس کے قیام اور انتظام و انصرام میں حضرت مولانا احمد سعید صاحب حضرت مفتی صاحب کے شریک کار تھے۔چنانچہ حضرت مفتی صاحب کی دعوت پر ہندوستان کے تمام صوبوں سے چیدہ چیدہ علماء دہلی تشریف لائے تھے میں خود اس بنیادی اجلاس میں شریک نہیں ہو سکا۔لیکن لدھیانہ سے میرے حقیقی پھوپھی زاد بھائی مولانا محمد عبداللہ اور مولوی حفیظ اللہ صاحب نے شرکت کی۔لکھنؤ سے حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم تشریف لائے ہوئے تھے۔علماء کے اس نمائندہ اجلاس نے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کو''جمعیۃ علمائے ہند'' کا صدر منتخب کیا اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب کو ناظم اعلیٰ بنایا گیا۔

اس سے کچھ عرصہ پہلے''خلافت کمیٹی'' کا قیام عمل میں لایا گیا تھا۔اس کے بنانے میں بھی حضرت مفتی صاحب کا بہت بڑا حصہ تھا۔اس میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی،حکیم اجمل خان صاحب مرحوم،ڈاکٹر انصاری مرحوم،مولانا حسرت موہانی مرحوم،مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سب حضرات مفتی صاحب کے ساتھ شریک کار تھے۔ان ہی دنوں گاندھی جی نے کانگریس کے کام کی ابتدا کر دی۔اس کام میں گاندھی جی کے سب سے زیادہ مشیر حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ان دنوں علی برادران اور مولانا آزاد جیلوں میں تھے جیسا کہ اوپر ذکر کر چکا ہوں۔کام کی اہمیت نے اور اخبارات نے مفتی صاحب کے نام کا تعارف ملک میں کرا دیا۔اہل علم وہ مسلم تھے یا غیر مسلم مفتی صاحب کے علم و دانش کے قائل ہو گئے تھے۔

دسمبر ۱۹۱۹ء میں امرتسر میں کانگرس کا سالانہ اجلاس ہوا اس وقت ہندوستان کے تمام سیاسی نظر بند رہا کر دے گئے تھے۔لیکن شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ساتھیوں کو رہا نہیں کیا گیا اور یہ بدستور مالٹا میں نظر بند رہے۔ہندوستان کے تمام رہا شدہ رہنما کانگرس کے اجلاس میں شریک ہونے کے لئے امرتسر پہنچ گئے۔اس وقت مسلم لیگ کانگریس کا ایک حصّہ سمجھی جاتی تھی،چنانچہ مسلم لیگ کا اجلاس بھی کانگرس کے اجلاس کے ساتھ حکیم اجمل خان صاحب مرحوم کی صدارت میں بہت شان و شوکت سے ہوا۔

مولانا ابوالکلام آزاد رہائی کے بعد امرتسر تشریف نہیں لائے۔ اس لئے کہ آپ کی رہائی ایسے وقت میں ہوئی جب کہ آپ امرتسر پہنچ کر اجلاس میں شریک نہیں ہو سکتے تھے۔ علی برادران نظر بندی سے رہا ہوتے ہی سیدھے امرتسر پہنچے اور وہیں گاندھی جی سے پہلی ملاقات ہوئی۔ اسی زمانے میں جمعیۃ علماء ہند کی دوسری نشست ہوئی۔ جمعیۃ کی اس میٹنگ میں بھی میں شریک تھا۔ ستّر اسی کے قریب ہندوستان کے مقتدر سرکردہ علماء شریک ہوئے۔ یہ میٹنگ امرتسر کے ایک بہت بڑے رئیس میاں محمد شریف مرحوم کی کوٹھی پر ہوئی۔ حضرت مفتی صاحب اور تمام علماء چونکہ طبعاً پروپیگنڈسٹ نہیں تھے۔ تصوف اور درویشی کا طبیعتوں پر اثر غالب تھا۔ اس وقت یہ حضرات عوام میں نمایاں نہ ہو سکے اور نہ ہی نمایاں ہونا چاہتے تھے۔ اس لئے عوامی لیڈر شپ امرتسر میں علی برادران کی طرف منتقل ہو گئی اور خلافت کمیٹی کا پہلا اجلاس کانگرس کے پنڈال میں منعقد ہوا۔ مگر اس موقعہ پر جمعیۃ علماء ہند کا کھلا اجلاس امرتسر میں نہیں ہوا، لیکن جمعیۃ علماء کا آئین اور آئندہ طریق کار امرتسر میں ہی تیار ہوا۔ جمعیۃ کا آئین اور طریق کار کا طے کرنا بہت مشکل مسئلہ تھا۔ مگر بقول مولانا عبدالباری مرحوم، اگر یہ کام مفتی کفایت اللہ صاحب کے سپرد کر دیا جائے تو یہ مسودہ چند گھنٹوں میں مفتی صاحب تیار کر دیں گے، چنانچہ مفتی صاحب نے چند گھنٹوں میں واقعی جمعیۃ علماء کے لئے ایک آئین اور آئندہ طریق کار کا مسّودہ تیار کر کے علماء کے سامنے پیش کر دیا، اگر چہ یہ اجلاس مختصر تھا، مگر فہم اور رہنمائی کے اعتبار سے بہت ہی اہم تھا۔ ۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک مسلسل ۱۹ برس مفتی صاحب جمعیۃ کے صدر رہے، لیکن انیس برس میں آپ کبھی جمعیۃ کے اجلاس کے صدر نہیں بنے، بلکہ ہم عصر دوستوں کی صدارت میں کام کرنا ان کی طبیعت کا خاص وصف تھا۔

آپ آل انڈیا خلافت کمیٹی کی ورکنگ کمیٹی کے ہمیشہ ممبر رہے ورکنگ کمیٹی میں آپ نے بڑے بڑے الجھے ہوئے مسائل کو منٹوں میں حل کر دیا۔ آپ نے کانگریس، خلافت کمیٹی اور جمعیۃ علماء میں رہ کر جن جن مسائل میں رہنمائی فرمائی، اس کا اندازہ صرف ان

ہی حضرات کو ہوسکتا ہے، جو آپ کے ہر وقت کے ساتھی تھے، لیکن دنیا نے کبھی بھی مفتی صاحب کے نام کو ان کے کاموں کے ساتھ شہرت کی جگہ پر نہیں پایا۔ وہ مٹ کر کام کرنے کے عادی تھے۔

جمعیۃ علماء کا حقیقی وجود اور اس کی تعمیر مفتی صاحب کے ہاتھوں سے ہوئی۔ اور مولانا احمد سعید صاحب نے پورے اخلاص اور دیانتداری سے مفتی صاحب مرحوم کا ہمیشہ ساتھ دیا، مفتی صاحب اپنے ساتھیوں اور اچھے کام کرنے والوں کو آگے بڑھا کر خوش ہوتے تھے، بہت سے غلط کار آدمیوں کو محبّت اور پیار سے سیدھے راستے پر ڈال دیا۔ اگر میں یہ کہوں کہ آپ اپنے وقت میں آفتاب سیاست تھے تو اس سچ میں کسی کو شبہ نہیں ہوسکتا اور کون ہے جو اس کی شعاعوں کی روشنی میں ملک کی رہنمائی نہیں کرتا رہا اور آج بھی سوائے چند ایک کے اس آفتاب سیاست کے غروب ہونے کے بعد صحیح راستہ کی تلاش میں دشواریاں محسوس نہیں کرتے۔

جہاں آپ کو فہم رسا کی وجہ سے سیاست میں غیر معمولی درجہ حاصل تھا وہاں آپ کی شخصیت کو بحیثیت عالم دین ہونے کے نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ ’’علم دین‘‘ میں آپ کا درجہ کتنا بلند تھا، اس کا اندازہ آپ کو حضرت مولانا سیّد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ سے بخوبی ہو جائے گا، کہ جب کبھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ مفتی صاحب مرحوم کا ذکر کرتے تو ان کے لئے ’’عالم الدین والدنیا مفتی کفایت اللہ‘‘ فرمایا کرتے۔

تحریک خلافت میں حکیم اجمل خان صاحب مرحوم، ڈاکٹر انصاری مرحوم اور گاندھی جی نے جیل جانے سے روک دیا تھا، لیکن ۱۹۳۰ء کی نمک سول نافرمانی میں مفتی صاحب بحیثیت کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے ممبر جیل میں تشریف لے گئے۔ تقریباً چھ ماہ مجھے آپ کی خدمت کرنے کا موقعہ ملا۔ اس کے بعد دوسری مرتبہ ۱۹۳۱ء میں آپ کو پھر ڈیڑھ سال کے لیے جیل میں بند کر دیا گیا اور آپ کو دہلی جیل سے نیوسنٹرل جیل ملتان میں بھیج دیا گیا۔ چنانچہ اس مرتبہ مجھے ایک سال آپ کی خدمت میں رہنے کا موقعہ ملا۔ میری سزا ایک سال تھی اور مجھے لاہور جیل سے ملتان جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ مجھے جس قدر آپ کا قرب

حاصل ہوتا گیا۔اتنی ہی آپ کی عقیدت،عزت اور محبت میرے دل میں گھر کرتی گئی۔آپ اپنے ساتھیوں کے علاوہ جیل میں اخلاقی قیدیوں سے بھی ہمیشہ محبّت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے۔آپ جیل میں ان قیدیوں کی خدمت کرتے اور ان کے کپڑوں کی مرمّت کرتے جوان کوان کی خدمت کے لئے ملے ہوئے تھے۔ایک مرتبہ آپ نے اس کی وجہ بھی بیان فرمائی کہ یہ بھی ہماری طرح قیدی ہیں ہمیں ان سے کام لینے کا حق نہیں۔ یہ حکومت کا جبر وقہر ہے کہ ان کواس طرح ہماری خدمت کے لئے معین کر رکھا ہے۔اس کی تلافی اسی صورت سے ہوسکتی ہے کہ ہم بھی ان کی خدمت کریں۔ یہ ایک شرعی نکتہ تھا۔اس کے علاوہ واقعہ یہ ہے کہ آپ کوکسی شخص کا کوئی کام کرنا بھی بوجھ نہیں معلوم ہوتا تھا۔

۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے پاس جمعیۃ علماء کی طرف سے ایک وفد بھیجا گیا۔ جس کے صدر حضرت مفتی صاحب مرحوم تھے، یہ وفد حج کے موقعہ پر گیا تھا۔ میں اس سفر میں بھی آپ کا ساتھی تھا۔اس پورے سفر میں مفتی صاحب کی استقامت تقویٰ اور دیانت داری کا جو مظہر میں نے دیکھا، وہ حیرت انگیز تھا۔ہم نے مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کے لئے اونٹوں پر سفر اختیار کیا ہر منزل پر ساتھی تکان کی وجہ سے آرام کرتے یا سوتے؛ لیکن مفتی صاحب سب کے لیے کھانا پکالے اور تیار کرنے میں مصروف ہو جاتے،اس تمام سفر میں کبھی آپ کی پیشانی پر کسی نے بھی بل آتے نہیں دیکھا اور نہ ہی آپ کے مشاغل دینی اور معمولات میں کسی دن فرق آیا۔

علاوہ فقیہ ہونے کے فہم قرآن میں بھی آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔جب کبھی مشکل مقامات میں نے مفتی صاحب کے سامنے پیش کئے۔ان کوآپ نے فوراً حل کر دیا،ملتان جیل میں آپ نے ترجمہ کی ابتدا کی،افسوس کہ یہ بات آگے نہ بڑھ سکی۔

حضرت مفتی صاحب کے یہ مختصر حالات میں نے بیماری کی حالت میں لکھوائے ہیں، اللہ تعالیٰ مفتی صاحب کو جنت الفردوس میں بلند مرتبے عطا فرمائے،اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ

میرے والد حضرت مولانا مفتی محمد زکریا صاحب لدھیانوی نور اللہ مرقدہ اپنے وقت کے زبردست عالم وفہیم صاحب نسبت بزرگ اور ادبی ذوق کے مالک تھے، آپ نے تین ماہ کے اندر قرآن پاک حفظ کیا، اور رمضان المبارک کی ستائیسویں شب کو دو منزلی مسجد لدھیانہ میں صرف ۶ / گھنٹے میں ایک رکعت میں سنایا، بے نظیر ذہانت اور قوت حافظہ میں شہرت رکھتے تھے۔

ان کی ایک مجلس احباب بھی تھی جس کے تمام اراکین علمی اور ادبی ذوق رکھنے والے ہی حضرات تھے، اردو، فارسی کی بے شمار غزلیں اور نظمیں انہیں یاد تھیں، اس زمانے میں مولانا آزادؒ کا ایک مضمون الندوۃ میں شائع ہوا تو قبلہ والد صاحب مرحوم نے اپنے احباب مجلس سے کہا کہ یہ ہے اردو اداریہ اور اردو زبان اس کو پڑھو، میرے خیال میں یہ واقعہ ۱۹۰۶ء عیسوی کا ہوگا، مولانا کا نام میں نے پہلی مرتبہ اس وقت سنا۔

جالندھر میں مولانا فضل احمد صاحب ہر سال ایک مجلس میلاد منعقد کیا کرتے تھے، جو پنجاب میں سیرت النبی کے سلسلہ میں سب سے بڑا اجتماع ہوتا تھا، اس سیرت کے اجلاس میں ہندوستان کے ہر مشہور عالم مقرر اور واعظ کو دعوت دی جاتی تھی قطع نظر اس بات کے کہ اس کے عقائد کیا ہیں وہ کیا مسلک رکھتا ہے، دیو بندی ہو یا بریلوی، شیعہ ہو یا اہل حدیث، بشرطیکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرسکتا ہو، ایسے صاحب علم کو بلایا جاتا۔

والد مرحوم اس اجتماع میں ہر سال خصوصی دعوت پر شریک ہوتے، اور میرے بچپن سے ان کا یہ معمول تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جاتے، ایک مرتبہ میں کسی وجہ سے ان کے ہمراہ

نہ جاسکا، والد صاحب نے جالندھر سے واپسی پر بتایا، اس سال سیرت النبی کے اجتماع میں ابوالکلام آزاد نامی ایک عالم جونہایت حسین بارعب، بلامونچھ، داڑھی کے تھے، شریک ہوئے، جب وہ جالندھر پہنچے تو عام مہمانوں کی طرح سمجھے گئے، انہیں سیرت پر تقریر کرنے کے لئے آدھ گھنٹہ دیا گیا، لیکن جب مولانا آزادؒ کی تقریر شروع ہوئی تو تمام مقررین اور منتظمین نے یہ چاہا کہ مولانا کو زیادہ سے زیادہ وقت دیا جائے، سیرت النبی پر ایسے حقائق بیان کئے کہ جن کو سن کر اہل علم محوحیرت رہ گئے، اور عوام ان کے گرویدہ ہو گئے، مقرر کا کمال تھا، کہ اس نے مختصر وقت میں وہ سب کہہ ڈالا جو کچھ وہ کہنا چاہتا تھا اور اپنے وقت سے زیادہ ایک منٹ بھی نہیں لیا، اس تقریر کے بعد پنجاب کے علمی اور مذہبی حلقے میں مولانا کی شہرت ہوگئی، انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے میں مولانا آزاد کی شمولیت بھی لوگوں نے لکھی ہے، میں نے جو کچھ سنا وہ اس طرح سے ہے۔

مولانا آزاد اپنے بڑے بھائی مولانا ابوالنصر محمد یٰسین آہ کے ہمراہ حمایت اسلام کے جلسے میں شریک ہوئے، اس وقت ڈپٹی نذیر احمد بڑے درجے کے مقرر تھے، مولانا کی تقریر ہوئی تو پنجاب کا انگریزی داں طبقہ ششدر رہ گیا، اور سب کی تقریریں ماند پڑ گئیں بعض لوگوں نے کہا کہ اس نوجوان کو یہ تقریر رٹائی گئی ہے۔

جب یہ بات مولانا کے بھائی نے سنی تو انہوں نے اعلان کیا، کہ کل ابوالکلام تقریر کرے گا اور اس تقریر کا عنوان اسی وقت دیا جائے گا، چنانچہ دوسرے دن جب مولانا اسٹیج پر تشریف لائے تو انہیں عنوان دیا گیا۔

اسلام کا مستقبل کیا ہے؟

اس پر مولانا آزاد نے تین گھنٹے تقریر فرمائی جس کو سن کر چوٹی کے سیاست داں اور اہل علم حیرت میں پڑ گئے ڈپٹی نذیر احمد نے کہا، اب مجھے اپنے مر جانے کا غم نہیں۔

میرے والد مرحوم نے مجھے حضرت مولانا نور احمد صاحب محدث امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پڑھنے کے لئے بھیج دیا، مولانا نور احمد شیخ بڈھا چوک فرید امرتسر کی مسجد

میں رہتے تھے، وقت کے بڑے بزرگ جید عالم اور حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین میں سے تھے، اسی زمانے میں میرے والد صاحبؒ مجھے امرتسر ملنے کے لئے تشریف لائے اس وقت انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ مولانا ابوالکلام آزاد سے ملیں۔

معلوم ہوا کہ مولانا ابوالکلام سہ روزہ اخبار ''وکیل'' میں بطور سب ایڈیٹر کے کام کر رہے ہیں اور صرف پچاس روپے ان کو تنخواہ ملتی تھی، اخبار وکیل سب سے زیادہ کامیاب اور معقول اخبار سمجھا جاتا تھا، والد صاحب مرحوم نے دفتر اخبار ''وکیل'' میں مولانا آزاد سے ملتے ہی کہا:

''اے عزیز نوجوان! تمہاری یہ جگہ نہیں، تم خود کچھ کام کرو، ملک میں سب سے بڑے آدمی بن جاؤ گے''۔

مولانا آزادؒ نے والد مرحوم کی اس نصیحت پر عمل کیا، اور اخبار ''وکیل'' سے استعفیٰ دیکر واپس کلکتے چلے گئے، والد مرحوم کی پیشگوئی صحیح ثابت ہوئی جب کبھی مولانا آزاد کا تذکرہ آیا، ان کی شہرت اور مقبولیت پر گفتگو ہوئی، والد مرحوم بہت خوش ہوئے اور اپنی اس ملاقات اور اس گفتگو کے فقروں کو دہراتے۔

مولانا ابوالکلام آزاد بھی والد مرحوم کو ہمیشہ عزت و عظمت کی نگاہ سے دیکھتے اور دلی محبت سے ملتے تھے، دیول کانفرنس کے موقعہ پر جبکہ کانگرس کے تمام لیڈر رہا ہو چکے تھے لیکن میری رہائی نہیں ہوئی تھی، اس وقت والد مرحوم نے ایک خط مولانا آزاد کے نام لکھا، مولانا آزاد نے والد صاحب کے خط کے جواب میں حسب ذیل خط لکھا، جس میں دفتر اخبار ''وکیل'' کی پرانی ملاقات کا بھی ذکر ہے:

اخی فی اللہ۔ آپ کا خط ملا، مولانا حبیب الرحمٰن نے اپنی قربانیوں اور استقلال سے ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں میں ممتاز جگہ حاصل کر لی، اس دفعہ کی طویل نظر بندی میں وہ سب کو پیچھے چھوڑ گئے، میرا یقین ہے کہ اب وہ دو تین دن میں رہا ہو جائیں گے مجھے یاد ہے آپ دفتر اخبار وکیل امرتسر کے بعد کلکتہ میں بھی ملے تھے، مجھے آپ کی ملاقات سے ہمیشہ مسرت ہوئی۔

ابوالکلام ۳ر جولائی ۱۹۴۶ء

یہ بات بھی تحقیق طلب ہے کہ مولانا اخبار وکیل میں کیوں آئے کہا جاتا ہے کہ مولانا کے والدان سے ناخوش تھے، اس لئے وہ امرتسر چلے آئے مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ ان کی غیرت نے گوارا نہیں کیا، کہ وہ کسی کے لئے بار بنیں، وہ اپنی روزی کے لئے راستہ تلاش کرنا چاہتے تھے خواہ وہ کتنا ہی حقیر کیوں نہ ہو، امرتسر میں رہتے ہوئے مجھے مولانا کے تمام دوستوں اور مجلس احباب سے شناسائی ہوگئی۔

۱۹۱۲ء میں مولانا کی ادارت میں الہلال افق پر جلوہ گر ہوا، ہمارے خاندان میں اس اخبار کی سب سے زیادہ مقبولیت ہوئی میں نے اس اخبار کا ایک ایک حرف کئی کئی بار پڑھا، میرے خاندان میں اخبار کی مقبولیت اس درجہ تھی کہ ہم اس اخبار کو اپنے خیالات کا ترجمان سمجھتے تھے۔

چونکہ ۱۸۵۷ء میں میرے پردادا حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جملہ متوسلین سمیت انگریز سے لڑنے کا اعلان کردیا، اور آپ کے فرزند اکبر حضرت مولانا سیف الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے لدھیانہ جیل پر حملہ کر کے جیل خانہ توڑ ڈالا، اور تمام مجاہدین وطن کو انگریز کی قید سے آزاد کرایا، شہر لدھیانہ میں ہندوستانی پرچم لہرادیا گیا اور قومی حکومت قائم کرلی، لدھیانہ کی پوری فوج کی کمان سنبھال لی، اوران کی رہنمائی کی، اسی اثر کے تحت میرے دادا حضرت مولانا شاہ محمد رحمۃ اللہ علیہ نے انڈین نیشنل کانگریس میں شمولیت کا فتویٰ دیا، جس پر ہندوستان کے اکابر علماء کے دستخط ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا دستگیر صاحب قصوری، مولانا احمد رضا صاحب بریلوی، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب نے اس فتویٰ کی تصدیق کی، ان کے علاوہ تقریباً ۵۰ جید علماء نے فتویٰ کی تصدیق کی ہے، اور نصرت الابرار کے نام سے یہ رسالہ شائع ہو چکا ہے، ہمارے خاندان میں نہ کسی نے اس وقت تک انگریزی پڑھی، اور نہ انگریزی حکومت کی ملازمت کی، میرے بزرگوں میں ہر وہ شخص مقبول تھا، جو انگریزوں کا مخالف ہو، خواہ وہ کسی فرقہ سے تعلق رکھتا ہو، مولانا آزاد نے آزادی وطن کے لئے الہلال میں اپنی آواز اٹھائی، اور انگریز کے خلاف کھل کر لکھنا شروع کیا اس لئے ہمارے خاندان میں ان کی اور ان کے اخبار کی

مقبولیت ایک قدرتی امر تھا، ۱۹۱۵ء میں حضرت مولانا عبیداللہ سندھی اور مولانا آزاد نے پنجاب کا ایک سفر کیا، مقصد سفر یہ تھا کہ پنجاب کے مشائخ کو انگریزوں کے خلاف ابھارا جائے ان میں سے ایک پیر مہر علی شاہ صاحب سے ملے، اور ایک صاحب پیر جمال علی شاہ صاحب سے ملے۔

اسی سفر میں مولانا آزاد نے لاہور میں تقریر کی حسن اتفاق کہ والد صاحب مرحوم اس اجلاس میں شریک تھے، والد صاحب کے بیان کے مطابق اس جلسہ میں پچاس ہزار کے لگ بھگ حاضری تھی یہ وہ زمانہ تھا، جب جنرل ڈائر جیسا شقی القلب اور ظالم انگریز پنجاب کا گورنر تھا، مولانا آزاد نے انگریز کے خلاف بولتے ہوئے عوام اور خصوصاً مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مصر کی سلطنت کا ایک موحد یوسف (علیہ السلام) ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار کا نعرہ لگا کر نظام حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہندوستان کے کروڑوں موحدین رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ، کہتے ہوئے انگریز کو ہندوستان کی سرزمین سے نہ نکال دیں۔

"لقد کان فی یوسف واخوته آیات للسائلین".

پنجاب سے واپسی پر مولانا آزاد کو رانچی میں نظر بند کر دیا گیا، اور الہلال کی اشاعت پر پابندی لگا دی گئی، ۱۹۱۹ء میں رہائی کے بعد خلافت کی تحریک میں شامل ہوئے۔

اکتوبر ۱۹۲۱ء میں مولانا آزاد لاہور تشریف لائے اور میاں عبدالعزیز بیرسٹر کے مکان پر قیام کیا، میاں صاحب کے مکان پر پنجاب کے تمام ورکرز کو مولانا آزاد نے خطاب فرمایا، اس خطاب میں جو خاص بات فرمائی وہ یہ تھی:

> "یہ بات عجائبات میں سے ہے کہ ہمیشہ وطن کی آزادی کی تمام صحیح تحریکیں مسلمانوں نے شروع کیں، اور صحیح راستے متعین کئے لیکن جب ہندوستان کے دوسرے لوگ ان صحیح راستوں پر چلے، تو مسلمان اس لئے رک گئے کہ غیر مسلموں نے یہ راستہ کیوں اختیار کیا؟"

خلافت تحریک میں ہم سب جیل میں گئے، مجھ کو ڈیڑھ سال کی قید اور ایک ہزار روپیہ جرمانہ ہوا، ۱۹۲۲ء میں کانگریس کا اسپیشل اجلاس مولانا آزاد کی زیر صدارت دہلی میں بلایا گیا، اس وقت ملک میں بہت زیادہ اختلاف تھا، خلافت تحریک ناکام ہو چکی تھی، گاندھی جی جیل میں تھے، سی آر داس پنڈت موتی لال نہرو، مولانا آزاد، حکیم اجمل خان سب کے سب سوراج پارٹی کے حق میں تھے، کہ الیکشنوں میں حصہ لیکر اسمبلیوں پر قبضہ کیا جائے، اور اندر جا کر انگریز کے خلاف آواز اٹھائی جائے مسٹر راج گوپال آچاریہ اس وقت ینگ انڈیا کے ایڈیٹر تھے، ڈاکٹر انصاری مرحوم میں اور میرے ہم خیال ساتھی اس کے خلاف تھے، ہم لوگوں کو نوچینجز (غیر متبدل) کہا جاتا تھا، اس اجلاس میں مولانا آزاد سے تعارف ہوا، اس لئے کہ راجہ جی کے بعد سب سے مدلل تقریر سوراج پارٹی کے نظریہ کے خلاف میری ہی تھی، میں نے سمجھ لیا تھا کہ سوراج پارٹی کے بزرگ عمل میں انتہا پسند ہیں، لیکن عقیدت انقلابی نہیں، ماڈریٹ ہیں، اس لئے کہ انقلابی قلب و دماغ کا آدمی ایسا راستہ اختیار نہیں کر سکتا، آخر میں راج گوپال آچاریہ بھی اسی جماعت کے ہمنوا ہو گئے اس پالیسی کی وجہ سے ہندوستان میں موجودہ حالات پیدا ہوئے، اب مولانا آزاد سے ملاقات رہنے لگی، جب کبھی وہ دہلی رہے مسلسل ملاقات رہتی، بسا اوقات سارا سارا دن ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی پر مولانا آزاد کے ساتھ گذر جاتا، ایسا بھی ہوا کہ فجر سے پہلے سحری کی چائے میں شرکت ہوئی اور رات کو عشاء کے بعد تک ساتھ رہے۔

۱۹۲۰ء دہلی میں حضرت شیخ الہند کی زیر صدارت جمعیۃ العلماء ہند کا اجلاس ہوا، جس میں ملک کے تمام ہندو مسلم مقتدر رہنماؤں نے شرکت کی، شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ بیمار تھے، اس لئے اجلاس میں تشریف نہ لا سکے، شیخ کی طرف سے مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے خطبۂ صدارت پڑھا، اس کے تین دن بعد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہو گیا، شیخ کے انتقال کے بعد یہ مسئلہ شروع ہوا کہ اب ہندوستان کے مسلمانوں کا امیر کسے منتخب کیا جائے، علی برادران اور خلافت کمیٹی کے ارکان اس تحریک کے سرے سے ہی خلاف تھے

کہ کسی کو امیر بنایا جائے، جمعیۃ العلماء ہند میں بھی ایک قسم کا اختلاف تھا، فرنگی محلّی علماء چاہتے تھے، کہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب مرحوم مسلمانان ہند کے امیر منتخب ہو جائیں، دارالعلوم دیوبند میں دو رائیں تھیں، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند، مولانا آزاد کی امارت کے سخت خلاف تھے لیکن مولانا سید انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا آزاد کے حق میں تھے، حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ تھے، مسلمان جسے امیر بنائیں میں اسے قبول کرلوں گا، مگر میری ذاتی رائے میں مولانا آزاد کو امیر منتخب کرنا چاہیئے کیونکہ وہ اس کام کے اہل ہیں، جس کام کو ہم کر رہے ہیں وہ نہیں کر سکتے، اور جس کو وہ کر رہے ہیں ہم نہیں کر سکتے۔

یہ کہنا کچھ اپنی بڑائی سی ہوگی، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مولانا آزاد کو امیر منتخب کرانے میں سب سے زیادہ میں نے جدوجہد کی، اور اس سلسلے میں میں جمعیۃ العلماء کے ایک ایک رکن سے ملا، اور مجھے بہت بڑی کامیابی ہوئی، قرار پایا کہ جمعیۃ العلماء کے اجلاس لاہور میں یہ مسئلہ طے کیا جائے، اس اجلاس میں دیوبند کے تمام اکابر شریک ہوئے، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی نے مولانا آزاد کے حق میں ایک زبردست تقریر کی جب امارت کا مسئلہ پیش ہوا تو اکثریت مولانا آزاد کے حق میں تھی، تھانہ بھون فرنگی محل اور بریلی کے علماء اس اجلاس میں شریک نہیں ہوئے، علماء اہلِ حدیث کی جلد بازی اور اس خیال نے کہ مولانا ان میں سے ایک ہیں اس مسئلہ کو کامیاب نہ ہونے دیا، اور یہ مسئلہ ملتوی ہو گیا، جس کا مجھے ہمیشہ صدمہ رہے گا، اس طرح مولانا آزاد کی امارت کا مسئلہ اس مرحلہ پر آ کر ختم ہو گیا۔

مولانا آزاد کی عظمت حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں بہت زیادہ تھی، اور آخر تک رہی علماء کا ایک بڑا طبقہ مولانا آزاد کی علمی تحقیقات سے متفق نہیں تھا، اس لئے بہت سی راہیں مسدود ہو گئیں اور کام آگے نہ بڑھ سکا، مولانا جن باتوں کو دیکھتے تھے اور جس راستے سے لوگوں کو آگے لے جانا چاہتے تھے وہ بہت سے لوگوں کو جلد سمجھ میں نہیں آسکتا تھا۔

۱۹۲۸ء میں جب نہرو رپورٹ منظور ہوئی، میرا مولانا سے بہت زیادہ تعلق بڑھ گیا مولانا آزاد ان دنوں اکثر دہلی میں ہی رہا کرتے تھے اور میں بھی دہلی ہی میں قیام پذیر رہا، مولانا کے ساتھ روزانہ ملاقات رہی۔

سکھر میں آخری خلافت کانفرنس ہوئی جس کے صدر مولانا حسین احمد مدنی تھے، اس کانفرنس میں ڈاکٹر انصاری مولانا شوکت علی مولانا آزاد، مولانا ظفر علی خان شامل ہوئے نہرو رپورٹ کی وجہ سے آپس میں شدید اختلاف پیدا ہو چکا تھا، مولانا آزاد ڈاکٹر انصاری اور میں ایک ہی کمرے میں ٹھہرے میں نے دیکھا صبح کو تین بجے مولانا آزاد نے خود ہی اپنے لئے چائے کا انتظام کیا، میں اٹھا تو انہوں نے مجھے بھی شریک کرلیا، مولانا آزاد کا آدھی رات سے اٹھنے کا معمول تھا، سادی چائے پی کر اور ضروریات سے فارغ ہو کر پڑھنے لکھنے میں مشغول ہو جاتے۔

مولانا آزاد کی زندگی پر بہت سی کتابیں اور تذکرے شائع ہو چکے ہیں، الہلال کی فائل ان کی قابلیت کا زندہ ثبوت ہے، انہوں نے مخالف فضاؤں میں بھی استقلال کے ساتھ ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ پورے ایشیا کی رہنمائی کی، مولانا کی سب سے بڑی قابلیت یہ تھی کہ حالات کو دیکھ کر صحیح رائے قائم کرتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں کہ مولانا میں جہاں علم وذکاوت کی خوبیاں ہیں وہاں یہ عجیب بات ہے کہ وہ اچھے اور غلط آدمیوں میں کبھی تمیز نہیں کر سکے، ان کے پہلے اور مشہور سکریٹری فضل الدین مرحوم کو جب میں نے دیکھا اور ان کے ملنے والوں کو دیکھا تو میں نے سمجھ لیا کہ وہ اس بارے میں بھی بڑے آدمی ہیں، کیونکہ میں نے اپنی زندگی میں جن بڑی شخصیتوں کو دیکھا اور ان سے ملا ان کے نزدیک بہتر خدام اور اچھے آدمیوں کو بہت کم دیکھ پایا۔

اگر مولانا آزاد مہاتما گاندھی کی طرح روپیہ اکٹھا کرنا جانتے اور پارٹی اکٹھی کر سکتے تو وہ ایشیاء کے سب سے بڑے آدمی ہوتے اور ہندوستان کا موجودہ نقشہ یہ نہ ہوتا، مولانا نہ تو روپیہ جمع کر سکے اور نہ اپنے گرد اچھے آدمی لا سکے، جب کبھی انہوں نے جماعتی کاموں کا

دخل دیا تو اس میں ناکام رہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر شخص کے متعلق اپنی ذکاوت سے رائے قائم کرتے، اور اگر وہ کسی وجہ سے کسی کے ناراض ہو جائیں تو اسے معاف نہیں کرتے اور اس شخص پر اپنی ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کرتے، اور اسے کسی قسم کا نقصان بھی نہیں پہنچاتے۔

بہت سے مخلص لوگ جن کی زندگیاں مولانا آزاد کے لئے برباد ہوگئیں، مولانا آزاد نے ان کو اپنا نہیں سمجھا وہ کسی کا مشورہ کم سے کم قبول کرتے، انگریزی اقتدار کے خاتمہ کے لئے مولانا کو مجبوراً ہندوستان کی ایک اونچی جماعت کے ساتھ منسلک ہونا پڑا، اور دنیا نے ان کی دیانت امانت اور سیاسی بصیرت سے فائدہ اٹھایا، اور اٹھا رہی ہے اگر ملکی حالات ان کو اسٹیج پر آنے کے لئے مجبور نہ کر دیتے تو دنیا کے بہت کم آدمی مولانا آزاد سے واقف ہوتے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی اندازاً ۱۹؍برس کے بعد حج کوتشریف لیجارہے ہیں، جنگ کے زمانہ میں ۱۹۳۹ءیا ۱۹۴۰ءمیں حج کوتشریف لے گئے تھے تو میں نے لاہور کے اسٹیشن پر پوچھا کہ خطرہ کے زمانہ میں آپ حج کوتشریف لے جارہے ہیں آپ نے فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں کوئی خطرہ خطرہ نہیں ہے آپ کی زندگی کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور بہت کچھ لکھا جائے گا،لیکن حضرت مولانا کی زندگی کے دو مقام ایسے ہیں جن کا جاننا ضروری ہے، پہلی بات یہ کہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کو مکہ معظّمہ میں انگریزوں نے شریف حسین کے ذریعہ گرفتار کیا اور آپ کے ساتھیوں کو بھی گرفتار کیا گیا تو اس موقعہ پر حضرت مدنی مدظلہ پر کوئی مقدمہ نہیں تھا، بلکہ شریف حسین کی گورنمنٹ نے کوشش کی کہ آپ مدینہ شریف واپس تشریف لے جائیں،لیکن مولانا نے اس موقع پر یہ کوشش فرمائی کہ مجھے گرفتار کرلیا جائے اور حضرت شیخ الہندؒ کے پاس پہنچادیا جائے، چنانچہ آپ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگئے اس کوشش کا نتیجہ کیا تھا پھانسی کا تختہ اور یہ بات آپ کے علم میں تھی کہ حکومت برطانیہ اور حکومت ہند نے حضرت شیخ الہند اوران کے رفقاء یعنی مولانا عزیز گل صاحب مولانا حکیم نصرت حسین صاحب اور مولانا عبدالوحید صاحب جن کی عمران تمام حضرات سے کم تھی پھانسی دینے کا فیصلہ کرلیا ہے، حضرت مدنی حضرت شیخ الہند اوران کے رفقاکے ساتھ شریک ہوکر ہر قسم کی سزا برداشت کرنے کو تیار ہوگئے ،مگر آپ کا گرفتار ہونے سے مقصد یہ تھا کہ اپنے شیخ اور بوڑھے استاذ کی اس مصیبت کے زمانے میں کچھ خدمت کرسکوں، چنانچہ مصر میں یہ تمام قافلہ گرفتار ہوکر پہنچا اوران سب حضرات کو پھانسی کا حکم ملامگر

چھ دن کے اندر اندر یہ حکم واپس لے لیا گیا، اور ان سب حضرات کو مالٹا میں نظر بند کر کے بھیج دیا گیا، مولانا چار سال سے زیادہ وہاں رہے چھ ماہ میں قرآن شریف حفظ کرلیا تا کہ رمضان شریف میں اپنے استاد کو سنا ئیں ساتھیوں کے لئے کھانا پکایا اور حضرت شیخ الہند کی ہر وہ خدمت کی جو ایک شاگرد کو استاد کی کرنی چاہئے، پیری مریدی اور استادی شاگردی کا مقام سمجھنا ہو تو حضرت مدنی دامت برکاتہم کے اس عمل سے کہنا چاہئے کہ اپنے شیخ اور استاد کے لئے آپ نے پھانسی کے تختہ کو اپنی زندگی پر ترجیح دی یہ تو اللہ کا فضل ہے کہ یہ لوگ انگریزی گرفت سے بچ گئے ہیں، موت کے تختہ کو خدمت کے لئے قبول کر لینا مولانا مدنی کا ہی مقام ہے ہندوستان کی جنگ آزادی میں جس طرح سچائی اور دیانت داری سے آپ نے کام کیا ہے اس کی مثال ملنا مشکل ہے، ۱۹۴۲ء کے الیکشن میں مولانا آزاد نے گفتگو کے دوران میں فرمایا کہ مولانا حسین احمد مدنی کا دل جس طرح اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے اسی طرح ان کا جسم بھی اللہ کے سامنے جھک گیا ہے، یہ ایک ایسی سچائی ہے جس سے زیادہ کوئی تعریف نہیں کی جاسکتی۔

حضرت مدنیؒ مدینہ منورہ بھی تشریف لے جارہے ہیں اور ۱۹؍سال کے بعد اپنے رشتہ داروں سے بھی ملیں گے، ۱۹۴۰ء کے بعد سفر کا ارادہ سات سال تک آپ نے نہیں فرمایا کیوں اس لئے کہ حضرت یقین رکھتے تھے کہ ہندوستان میں جو مسائل جو پیدا ہوگئے ہیں ان کا مقابلہ کرنا ہے تا کہ آزادی قائم رہ سکے اور مسلمانوں کو یقین دلانا ہے کہ وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں، انشاء اللہ تعالیٰ حالات درست ہوں گے اس کام کے لئے حضرت مولانا نے جو مسافت طے کی وہ لاکھوں میل سے کم نہیں چونکہ پروپیگنڈہ ہی کے عادی نہیں، بلکہ اس کو غلط سمجھتے ہیں، اس لئے دنیا نہیں جانتی کہ آپ نے اس زمانہ میں ملک کی کیا خدمت کی ہے۔

حضرت مدنی کسی ایک کے نہیں بلکہ سب کے ہیں بعض لوگوں نے یہ غلط فہمی پھیلا رکھی ہے کہ مولانا مدنی کسی خاص جماعت یا کسی خاص گروہ سے وابستہ ہیں ایسا کہنا لوگوں کی غلطی ہے، حضرت مولانا کو پوری انسانیت سے محبت ہے اور اس کی خدمت کرنے کا جذبہ ہے کوئی

بھی آدمی آپ کے پاس جائے وہ آپ کا کیسا ہی مخالف ہو یا کسی اور جماعت سے تعلق رکھتا ہو، اس کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے آپ پوری کوشش فرماتے ہیں، میرا یقین ہے کہ مولانا کا یہ سفر حج ہندوستان کے لئے بہت برکتوں کا باعث ہوگا، ہم سب کو اللہ سے دعا کرنی چاہئے کہ حضرت خیریت سے تشریف لے جائیں اور اپنے نیک ارادوں میں کامیاب ہوں اور خیر وعافیت سے واپس تشریف لائیں، تاکہ آپ کے علمی فیض سے لوگ اور نفع اٹھائیں۔

(حبیب الرحمٰن)

مجاہدین حریت کی ایک عظیم الشان تحریک

دارالعلوم دیو بند

ہندوستانی مسلمانوں کے متعلق آج سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے صرف پاکستان بنوایا، اور ہندوستان کی آزادی کے لئے ان کی مساعی کا حاصل صفر ہے، حالانکہ مسلمانوں نے ذہنی وفکری طور پر آزادئی وطن کو اپنا مذہب سمجھا انہوں نے مذہبی تعلیمی ادارے قائم کئے، جنہیں تحریک انخلاص وطن کا منبع ومخزن سمجھا جاتا ہے۔

صحبت امروز میں ہم مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ پر گفتگو کرنے کے بجائے دارالعلوم دیو بند پر اجمالاً گفتگو کریں گے، تاکہ ہندوستان کو اندازہ ہو کہ ایک خالص دینی ومذہبی درسگاہ کا ہندوستان کی تحریک آزادی میں کیا مقام تھا۔

دارالعلوم دیو بند کے بانی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھے، اور ان کے پیر ومرشد کا نام نامی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی تھا، یہ وہ اکابر تھے جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں تھانہ بھون میں بیٹھ کر انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کیا، اور شاملی ومظفرنگر یوپی میں انگریزوں کے خلاف باقاعدہ جنگ کی، انہیں شکست ہوئی، اور جس طرح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزدی کے اکثر وبیشتر علمبرداروں کو شکست ہوئی، انہیں بھی شکست ہوئی، یہ اپنے زمانے کے اکابر اور بزرگ تھے، انگریزوں نے جب ظلم وستم کا بازار گرم کیا تو حضرت حاجی امداد اللہ مکی مکہ تشریف لے گئے، مولانا رشید احمد گنگوہی گرفتار ہوئے اور چھ مہینے کے بعد رہا کردئے گئے، ان کے خلاف مقدمہ ثابت نہ ہوسکا، مولانا قاسم نانوتوی تین

برس تک دیوبند میں مقیم رہے، مگر گرفتار نہ ہو سکے، اور ان کا گرفتار نہ ہونا آج تک ان کی بزرگانہ کرامت کہی جاتی ہے، دارالعلوم دیوبند کے قیام کو کم وبیش ستر سال ہو چکے، اور جب مدرسہ قائم ہوا، تو یہ بھی واقعہ ہے کہ ہندوؤں نے چندے دیئے، اور نول کشور پریس سے کتابیں پہنچیں، اس زمانہ کا ہندو تنگ نظر نہ تھا، اور چونکہ فارسی پڑھنا چاہتا تھا، اس لئے دارالعلوم دیوبند سے ہمدردی اور دلچسپی تھی، دارالعلوم دیوبند کے قیام کے دو مقاصد تھے، ایک تو قرآن وحدیث کی اشاعت دوسرے آزادئی وطن کا حصول اور یہ دعویٰ وقتی مصلحتوں کے پیش نظر نہیں کیا جارہا ہے، بلکہ مستند حوالوں سے ثابت کیا جاسکتا ہے، اس زمانہ میں مولانا محمد صاحب لدھیانوی نے ایک فتویٰ مرتب فرمایا تھا، جس کا نام نصرت الابرار تھا، اس فتویٰ پر مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمود الحسن اور تمام علماء دیوبند وعلماء ہند کے دستخط ثبت ہیں، اس فتویٰ میں دو باتیں صراحتاً کہی گئی ہیں، ایک تو یہ کہ مسلمان کانگریس میں شریک ہوں، دوسرے یہ کہ سرسید کا وہ ساتھ نہ دیں۔ اس لئے کہ راجہ بنارس سے مل کر انہوں نے کانگریس کے خلاف ایک جماعت بنائی ہے، یہ تاریخی فتویٰ ۱۳۰۶ھ ۱۸۸۸ء میں مرتب ہوا تھا، یہ بحث دوسری ہے کہ سرسید علیہ الرحمہ کے متعلق اس وقت کے علماء کرام کا نظریہ صحیح تھا یا غلط تھا، سردست کہنا یہ ہے کہ دیوبندی علماء اور ہندوستان کے دوسرے علماء کی سیاسی فکر کتنی بلند اور مضبوط تھی۔ اور وہ اب سے بہت پہلے سیاسی مسائل پر ترقی پسندوں کی طرح غور فرماتے تھے۔

دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرس حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تھے، دوسرے صدر مدرس مولانا محمد یعقوب تھے، تیسرے صدر مدرس شیخ الہندؒ حضرت مولانا محمود الحسن تھے، چوتھے صدر مدرس حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ تھے پانچویں صدر مدرس شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ہیں، اور یہ سب ہی انگریز کے باغی تھے، اور انہوں نے وہ گروہ پیدا کیا، جس نے آزادئی ہند وآزادئی ایشیاء کے لئے غیر ممالک میں پلان بنائے، ان بزرگان دین کو صرف صدر مدرس نہ سمجھئے، بلکہ جدید اصطلاح میں یہ کسی یونیورسٹی کے وائس چانسلر یا چانسلر تھے۔

نذر عقیدت

(غازی عبدالعزیز خطائی فروش مرحوم لدھیانوی)

عالموں کا خاندان ہے لدھیانہ میں مقیم فخر ہے جس کا حبیب اور ناز ہے جس کا نعیم
نسل میں سے اس مجاہد کے ہیں یہ سب باوقار اپنے دشمن سے جو میداں میں لڑا مردانہ وار
دین حق کا عام کرنا ان کا نصب العین ہے مصطفےٰ کا نام نامی ان کے دل کا چین ہے
رات دن اسلام کی خاطر یہ کرتے ہیں جہاد اہل دل کہتے ہیں ان کو شاد باش و زندہ باد
لرزہ براندام ہیں ہر وقت ان سے قادیاں یہ اڑا دیتے ہیں ہر جھوٹے نبی کی دھجیاں
نیک ہیں پر جوش ہیں مزدور کے حامی ہیں یہ جھوٹ کو نیچا دکھانے میں بڑے نامی ہیں یہ

ان کی خواہش ہے کہ پھر ہندوستاں آزاد ہو
از سر نو ملک کی تعمیر کا آغاز ہو

رئیس الاحرارؒ کے دو ساتھی

امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری

اور

مولانا سید محمد داؤد غزنوی

ایک تاریخی مضمون..از: مجاہد الحسینی

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی جدائی کا صدمہ، مولانا کے عزیز و اقارب کو بھی پہنچا اور احباب و متعلقین کو بھی!

مولانا کی جدائی سے اپنے بھی سوگوار ہوئے اور پرائے بھی!

دہلی کے بازاروں اور سڑکوں پر جب مولانا کا جنازہ اٹھا تو فرزندانِ توحید نے بھی عقیدت کے پھول نچھاور کئے......اور غیر مسلموں نے بھی!

لیکن آزادی وطن کے اس نڈر سپاہی اور بہادر مرد مجاہد مولانا حبیب الرحمٰن کی جدائی نے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی پر جو گہرا اثر چھوڑا ہے، اور ایک جاں نثار ساتھی کی جدائی نے جو زخم پیدا کئے ہیں، وہ نا قابل بیان ہیں...... مولانا حبیب الرحمٰن کی جدائی کس قدر نا قابل برداشت ہے، اس کا صحیح اندازہ ان ساتھیوں سے معلوم کیجئے، جنہوں نے مولانا حبیب الرحمٰن کے ساتھ زندگی کا بیشتر حصہ ایک دوسرے پر فریفتگی اور کمال جاں نثاری کے ساتھ گذارا ہے۔

امیر شریعت: مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی اچانک وفات کی خبر جب امیر

شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو پہنچی، تو شاہ جی پر اس صدمہ کا جو اثر ہوا، اس کیفیت کو صفحۂ قرطاس پر ظاہر کرنا کسی کے بس کی بات نہیں!

خبر سنتے ہی شاہ جی کے جسم پر ایک کپکپی سی طاری ہوگئی چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔

دیر تک ایک سکوت طاری رہا، اور فضا میں ایک ایسا سناٹا چھا گیا جیسے نظام دنیا کو لمحہ بھر کے لئے بالکل معطل کر دیا گیا ہو۔

ایک گہری خاموشی کے بعد بھرائی ہوئی آواز میں شاہ جی نے کہا......مجھ پر فالج کے خطرناک حملے نے میرے جسم اور اعضا کو اس قدر مضمحل نہیں کیا تھا، جتنا حبیب الرحمٰن کی جدائی کے صدمے نے میرے جسم کو شل کر دیا ہے، اور اب میرے لئے سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ زندگی کا ایک ایک ساتھی داغ مفارقت دے رہا ہے، اور میں اکیلا یہ منظر دیکھ رہا ہوں!

آہ! زندگی کے محبوب ساتھی! کچھ لحد کی آغوش میں چلے گئے کچھ یوں ہی چھین لئے گئے اور انقلاب چرخ گردوں کی نذر ہو گئے۔ ع

اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں

اور کچھ مجھے اکیلا چھوڑ کے دوسروں کی رونق محفل بن گئے۔

غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

میں تو کونجوں کی ڈار سے بچھڑا ہوا ایک پنچھی ہوں، کچھ آگے نکل گئے کچھ پیچھے رہ گئے، اور کچھ ادھر اُدھر ہو گئے، اور میں اکیلا ان کی تلاش میں سرگرداں ہوں......زندگی میں سب سے زیادہ حزم و احتیاط ساتھیوں کی تلاش میں ہوتی گئی، پھر جن کو ڈھونڈ کر ساتھی بنایا وہ ''درگراں مایہ'' تھے۔

ہم سب ایک سلک مروارید تھے! ہماری زندگی تسبیح کے دانوں کی طرح ایک دوسرے

پرواز فتنگی میں گذر گئی!

مگر......آج! گردش دوراں کے بے رحم ہاتھوں سے وہ تسبیح ٹوٹ گئی...... سلک مروارید دانہ دانہ ہوگئی......اور میں اکیلا ہوں!

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی جدائی کا صدمہ ابھی تازہ ہی تھا ہنوز یہ زخم مندمل نہ ہونے پایا تھا کہ شاہ جی کے ایک اور محبوب ساتھی مولانا شیخ احمد بوریوالہ ''ختم نبوت'' کے موضوع پر کی گئی ایک تقریر کے خلاف دائر شدہ مقدمہ کی پیشی پر جاتے ہوئے لاری کے المناک حادثہ میں جام شہادت نوش کر گئے۔

راقم الحروف مولانا تاج محمود اور حافظ محمد احمد صاحب خلف مولانا شیخ احمد مرحوم تینوں شاہ جی کی خدمت میں حاضر ہوئے حافظ محمد احمد کی شکل دیکھتے ہی ساتھیوں کی جدائی کا صدمہ تازہ ہوگیا، شاہ جی ایک سرد آہ بھر کر خاموش ہوگئے اور دیر تک گہری سوچ میں ڈوبے رہے، پھر ''پان دان'' اٹھایا، اور گلوری منہ میں رکھ کر حافظ جی سے مخاطب ہو کر کہا۔

بھائی تمہیں دیکھ کر مجھے اپنے ساتھی یاد آ گئے، مولانا حبیب الرحمٰن کی جدائی کی خبر سنی تو یوں محسوس ہوا، گویا میرا بازو شل ہوگیا ہے، اور جب مولانا شیخ احمد جیسے مخلص کی شہادت کی خبر ملی تو میرا بایاں بازو بھی شل ہوگیا۔

اب اپنی حالت یہ ہے کہ سارا جسم مضمحل ہوگیا ہے، چلتا ہوں تو قدم جواب دے جاتے ہیں ساتھیوں کی جدائی نے مجھے مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، بھائی! میں تمہارے سامنے تعزیت کس کی کروں! دراصل تعزیت اور اظہار افسوس تو میرے سامنے کرنا چاہئے جس کے ساتھی نہیں جسم کے ٹکڑے جدا ہو گئے۔

شاہ جی نے حافظ محمد احمد کو ذمہ داری کا احساس دلاتے ہوئے فرمایا:

> ''مولانا شیخ احمد نے جس محنت، جانفشانی اور توجہ کے ساتھ بوریوالہ میں دینی مدرسہ کا قیام کیا تھا، ان کی شہادت کے بعد اس مدرسہ کی نگرانی اور دیکھ بھال کی ذمہ داری اب تمہارے کندھوں پر آ پڑی ہے،

اس لئے ہر ممکن قربانی کر کے بھی اس مدرسہ کو زندہ رکھنا''۔

حضرت امیر شریعت سے شرف ملاقات حاصل کر کے راقم الحروف مولانا تاج محمود اور حافظ محمد احمد واپس آ رہے تھے تو مولانا تاج محمود صاحب نے اس ملاقات کے متعلق اپنے گہرے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا......ہم لوگ اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے ساتھیوں کی جدائی میں شاہ جی کا دل کس قدر زخمی ہے۔

شاہ جی ہم نشینانِ محفل پر جب طائرانہ نگاہ ڈالتے ہیں تو میں اکثر محسوس کرتا ہوں کہ آپ کی نگاہیں چوہدری افضل حق، مولانا گلشیر کو تلاش کرتی ہیں۔

آپ مولانا حبیب الرحمٰن کو دیکھتے ہیں، وہ نہیں آئے اور پھر......جب یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے ساتھیوں کی جگہ خالی ہے تو شرکاءِ محفل کو مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

انجمن سے وہ پرانے شعلہ آشام اٹھ گئے
ساقیا! محفل میں تو آتش بجام آیا تو کیا

مولانا سید محمد داؤد غزنوی

مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی وفات کی خبر سن کر راقم الحروف نے مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے بیان حاصل کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، مگر اتفاق کی بات ہے کہ اس دن مولانا سے نہ تو ملاقات ہوسکی، اور نہ ہی ٹیلیفون کے ذریعہ تعلق قائم ہوسکا!

گذشتہ دنوں مولانا حبیب الرحمٰن کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن لدھیانوی لاہور تشریف لائے تو ان کی معیت میں مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے ملاقات کا پروگرام مرتب کیا گیا صبح تقریباً ۱۰ بجے مولانا کے ہاں گئے۔

مولانا ابھی دفتر میں تشریف نہ لائے تھے آپ کے خادم کی معرفت حاضری کی اطلاع دی اتنے میں ''الاعتصام'' کے ایڈیٹر مولانا محمد اسحٰق صاحب تشریف لائے ہم ان سے باتوں میں مصروف ہوگئے ابھی دس منٹ نہ گذرے ہوں گے کہ مولانا تشریف لے آئے، الاعتصام کے دفتر میں ہی سلام و معانقہ کے بعد نچلی منزل میں مولانا کے دفتر میں آ گئے۔

مولانا نے کرسی پر بیٹھتے ہی مولانا خلیل الرحمٰن سے زندان کے مایہ ناز ساتھی ...... مولانا حبیب الرحمٰن ......جیسا ساتھی؟ آہ......آج وہ ہم سے جدا ہوگیا......اور پھر...... مولانا سید محمد داؤد غزنوی......کی آنکھوں سے آنسوؤں کی موسلا دھار بارش شروع ہوگئی۔

مولانا......دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے......کمرہ میں ایک سکوت طاری تھا......اس خاموشی اور سناٹے کے عالم میں......کبھی کبھی اگر کوئی آواز سنائی دیتی تو وہ صرف...... ''حبیب الرحمٰن ......آج ہم کن کن ساتھیوں سے محروم ہوگئے'' کے الفاظ تھے جو وقفہ کے بعد آنسو پونچھتے ہوئے مولانا سید محمد داؤد غزنوی کی زبان سے سرزد ہوتے......؟

قریباً آدھ گھنٹہ کے بعد...... جب مولانا نے جدائی کے اس صدمے کی بھڑاس نکال لی...... تو راقم الحروف کی طرف مخاطب ہوکر...... غمناک لہجہ میں فرمایا......

> ''مجاہد بھائی! مولانا حبیب الرحمٰن جیسا صابر اور بہادر شخص آج تک میرے مشاہدہ میں نہیں آیا ہے، جس شخص نے تحریک آزادی وطن میں ان کے ساتھ زندگی کا ایک لمحہ بھی گزارا ہے، وہ مولانا حبیب الرحمٰن کی عظمت کا ضرور قائل ہوگیا۔''

مولانا حبیب الرحمٰن کے صبر کی اس سے بڑی مثال اور کیا ہوسکتی ہے کہ اپنے اور پرائے اس پر طرح طرح کے الزام عائد کرتے رہے، مگر وہ پورے صبر و تحمل کے ساتھ ہر ایک طعنہ زنی اور الزام تراشی کے جواب میں یہی کہتا رہا۔

انما اشکو بثی و حزنی الی اللّٰہ.

مولانا سید محمد داؤد غزنوی نے فرمایا:

مولانا حبیب الرحمٰن کو باعظمت انسان...... ان کے جذبۂ ہمدردی نے بنایا تھا...... وہ ایک ...... انسان کو بہت بلند درجہ دیتے...... اور غریب انسان کی ان کے دل میں بڑی ہی قدر و منزلت تھی......!

☆......☆......☆

ایک تاریخی واقعہ

مولانا سید محمد داؤد غزنوی سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ:

موضع دھوکڑیاں ضلع جالندھر میں مکیریاں لائن پر واقع ہے۔ وہاں کے اچھوتوں نے ایک دفعہ اچھوت کانفرنس منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ اچھوتوں کی مظلوم جماعت کی امداد کے لئے وہاں کے مقامی مسلمانوں نے بھی حصہ لیا۔ اس کانفرنس میں شمولیت کے لئے اچھوتوں نے ہندوستان کے مختلف سیاسی و مذہبی رہنماؤں کے نام دعوت نامے جاری کئے۔ ۹ر مارچ ۱۹۳۰ء کو مجلس احرار اسلام ہند کے صدر مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لئے دھوکڑیاں تشریف لے گئے۔ مولانا عبدالرحمٰن نکودری آپ کے ہمراہ تھے۔ اچھوت کانفرنس کے اجلاس عام سے خطاب کرتے ہوئے رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے فرمایا:

اسلام نے انسانی عظمت کا جو تصور پیش کیا ہے اس میں رنگ و نسل اور پیشے کا وجود تک نہیں ہوتا ہے۔ اسلام پیشے اور برادری کے بناء پر کسی انسان کو ذلیل نہیں کہتا، اسلام ہر انسان کو برابری کا درجہ دیتا ہے اور انسانی برتری کا معیار، کیریکٹر اخلاقی فوقیت کو قرار دیا گیا ہے۔ اسلام میں نیک اور بد کا تصور تو ہے لیکن اچھوت اور برہمن کا نہیں۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے فرمایا کہ اسلام انسانوں کو محض زبانی، کلامی فوقیت نہیں دیتا بلکہ اس میں عمل کو کئی درجے فوقیت دی گئی ہے۔ رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے کئی مثالیں پیش کی۔ آپ نے فرمایا کہ کوئی ایک ایسی مثال پیش کرو کہ کسی دلت نے اسلام قبول کیا ہو اور اسے محض اچھوت ہونے کی بنا پر مسجد میں آنے اور دوسرے مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے سے روک دیا گیا ہو؟ یا کسی مسلمان نے اس نومسلم

کا پس خوردہ کھانے سے پرہیز کیا ہو؟ آپ نے فرمایا کہ چھوت چھات کی بدترین مثال تو ہندوؤں میں پائی جاتی ہے۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی نے تقریر جاری رکھتے ہوئے اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ساتھیوں سے پانی کا ایک لوٹا منگوایا اور پھر سامعین سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایک فرد (دلت) اس سے پانی پی لے۔

دلتوں نے ابتداء میں مولانا کی ان باتوں کو خطیب کا اندازِ خطابت ہی سمجھا لیکن مولانا نے ان لوگوں کو اس لوٹے سے پانی پینے کے لئے بار بار کہا اور رئیس الاحرار کے اصرار پر مجمع عام میں موجود ایک دلت نے لوٹے سے پانی پیا۔ پھر مولانا نے اسی کا جوٹھا پانی پی کر عام سیدوں اور پٹھانوں کو پلایا۔

رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی اس عملی تبلیغ کا مجمع پر زبردست اثر ہوا کہ اس کے بعد علاقے کے بہت سارے دلت دائرہ اسلام میں داخل ہوگئے۔

☆……☆……☆

تقسیم ہند کے بعد تحریک تحفظ ختم نبوت

۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوگیا، لیکن بد قسمتی سے تحفظ ختم نبوت کے شیروں کا مسکن پنجاب تقسیم کا شکار ہوگیا، پنجاب کی تقسیم قادیانیت کیلئے خوشی کی بات تھی کیونکہ قادیانیوں کو ملک کے اس حصہ میں بچ گئے مسلمانوں کا ایمان سلب کرنے کے لئے میدان خالی نظر آنے لگا، لیکن شاید مرزا کے چیلے یہ بھول گئے کہ اللہ رب العزت نے اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت کی حفاظت کے لئے دنیا کے تمام گوشوں میں عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو متعین فرما رکھا ہے قادیانی اپنے جھوٹے مذہب کو لیکر ابھی نکلے ہی تھے کہ ان کو............

مجلس احرار اسلام ہند کے اکابرین کے وارث تحریک تحفظ ختم نبوت کے جاںنثاروں کا ایک قافلہ نظر آیا جو اپنی بدحالی کے باوجود اپنے موجودہ امیر (امیر احرار ہند مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی) کی رہنمائی میں پرچم ختم نبوت لئے دکھائی دیا، اس قلیل سے بدحالی قافلہ کو دیکھ کر قادیانی جماعت کی یا چھین کھل گئیں کہ اب وہ وقت آگیا ہے کہ تاج ختم نبوت پر ڈاکہ زنی کے ساتھ ساتھ ان احراریوں سے گذشتہ تمام شکستوں کا بدلہ بھی لے لیا جائے جو اکابرین احرار نے انگریزی دور میں قادیانیت کے ماتھے پر قلم کردی تھیں۔

ادھر یہ قافلہ تاج ختم نبوت کی حفاظت کے جذبہ میں سرشار منکرین ختم نبوت کی تاک میں بیتاب نظر آرہا تھا کہ دولت اور حکومتی شئے کہ نشہ میں چور جھوٹے نبی مرزا غلام قادیانی کے چیلوں نے محافظین ختم نبوت کو کمزور سمجھتے ہوئے حملہ آور ہونے کی کوشش کی ہی تھی کہ عاشقان رسول (احرار) قلیل تعداد قلیل وسائل ہونے کے باوجود اپنے رب پر توکل رکھتے

ہوئے میدان عمل میں کود پڑے، چند لمحوں میں قادیانیت کو اپنی شکست صاف نظر آنے لگی اور جگہ جگہ سے قادیانی راہ فرار اختیار کرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۹۷۴ء کے بعد چند افراد پر مشتمل چل رہا قافلہ ختم نبوت ایک عظیم ریلہ بن گیا، جس کے سامنے جہاں جو منکر ختم نبوت آیا اسے شکست سے دوچار ہونا پڑا، ۱۹۹۸ء میں ایک بار پھر اس قافلہ کے سالار نے اپنے اکابرین کی سنت کو زندہ کرنے کے لئے جھوٹے نبوت کے چیلوں اور ملک کی آزادی کے غداروں کے چہرے سے برسر عام نقاب الٹنے کا تہیہ کرلیا تو رضا کاران احرار نے بھی اپنے اکابر رضا کاران احرار کی یاد کو تازہ کر دیا گلی محلوں گاؤں دیہات میں ختم نبوت زندہ باد کی صدائے بلند ہونے لگیں قادیانیت کے چنگل میں پھنس چکے لوگ آزاد ہونے لگے، ادھر قادیانیت پر بوکھلاہٹ طاری ہونے لگی اور انہوں نے بھی اپنے جھوٹے نبی کی فریبی چالوں کو کام میں لانا شروع کر دیا، لیکن پھر بھی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طوفان کو روکنے سے عاجز رہ گئے احرار اسلام ہند ایک بار پھر ملک کے طول وعرض میں قادیانیت کیلئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اس دوران قادیانیوں نے اچھی چالیں چلتے ہوئے قافلہ سالار (امیر احرار مولانا حبیب الرحمٰن ثانی لدھیانوی مدظلہ) پر قاتلانہ حملہ بھی کیا جو ناکام ہو گیا ادھر دیہاتوں میں بسے مسلمانوں نے احرار کی کوششوں سے قادیانیوں کو نکارنا شروع کیا تو قادیانیت کو اپنا وجود ہی خطرہ میں نظر آنے لگا آخر پولیس سے مل کر امیر احرار کے احباب و دیگر مسلم نوجوان پر قتل کا جھوٹا مقدمہ ۲۰۰۰ء میں اس لئے درج کروایا گیا کہ شاید یہ لوگ جیل میں جا کر خائف ہو جائیں اور اس تحریک کو چھوڑ دیں، لیکن قادیانیوں سے یہاں ایک بہت بڑی بھول ہوگئی وہ یہ بھول گئے کہ............

اسلام کی فطر میں قدرت نے لچک دی ہے
یہ اتنا ہی ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

قافلہ ختم نبوت کے احباب نے خوشی خوشی جا کر خود ہی جیل کی سلاخوں کو چوم لیا، کیونکہ وہ تو اس قافلہ میں شامل ہونے کے دن سے یہ اس گھڑی کے بے صبری سے منتظر تھے کہ کب

تحفظ ختم نبوت کے جرم کی پاداش میں انہیں خدمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موقعہ ملے ادھر قافلہ احباب جیل گئے ادھر پوری قوم میں جذبہ ختم نبوت پہلے سے چار گنا زیادہ موجزن ہوگیا، بچہ بچہ گھر سے نکل آیا اور پھر ۴/نومبر ۲۰۰۱ء کا وہ دن اس بات کا شاہد بنا کہ لاکھوں مسلمانوں نے قادیانیت کے شر سے ہر بشر کو محفوظ کرنے اور تاج ختم نبوت کی آخری دم تک حفاظت کرنے کا لدھیانہ کے وسیع وعریض میدان میں یکجا ہوکر عہد کرلیا۔

قافلہ کی راہیں پہلے سے زیادہ کھل گئیں ختم نبوت زندہ باد کی وہ صدائیں جو قافلہ سالار نے اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ لدھیانہ سے بلند کرنی شروع کی تھیں آج ان کی گونج ہماچل کی پہاڑیوں سے لیکر ہریانہ، یوپی، بہار، مہاراشٹر، مدھیہ پردیش، بنگال، کرناٹک، جھارکھنڈ، اڑیسہ، کشمیر، راجستھان، میوات کے میدانوں سے سنائی دینے لگی ہے، لاکھوں فرزندوں اسلام اور مدارس اسلامیہ کے طالبان علم اس قافلہ میں شریک ہوگئے ہیں، نہ جانے کتنے ایسے ہیں جو قادیانیت پر لعنت بھیجتے ہوئے ختم نبوت کا پرچم لئے اس لشکر میں شامل سفر ہیں۔

ان سب کا مسلک جدا جدا ہے ان میں سے اکثر کی علاقائی زبانیں الگ الگ ہیں تلفظ میں یکسانیت نہیں ہے، لیکن یہ سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، کیوں ...... کیونکہ یہ سب مسلمان ہیں، ان سب کا مقصد ایک ہے کہ......تاج ختم نبوت کے دشمن قادیانیوں کو بھگانا ہے کیونکہ ان سب کو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت ہے اور یہی تو وجہ ہے کہ اس قافلہ میں دھن ودولت کے انبار نہ ہونے کے باوجود اور حکومتی مدد کے بغیر بھی یہ قافلہ بے خوف بے لاگ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے، ہر مقام پر ختم نبوت کا پرچم لہرا کر آگے بڑھ رہا ہے۔

یقیناً آپ بھی اس قافلہ میں شامل ہونے کے لئے بیتاب ہوں گے اور کیوں نہ ہوں جبکہ آپ کو بھی اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت ہے، تو پھر آیئے اور اس قافلہ ختم نبوت (مجلس احرار اسلام ہند) میں شامل ہوجایئے اس قافلہ میں شامل ہونے کے

لئے کسی زادراہ کی ضرورت نہیں، بلکہ جذبہ احرار کی ضرورت ہے، احرار......یعنی حر......حر، یعنی آزاد......یعنی آزاد افراد کا آزاد قافلہ جو اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تاج ختم نبوت کی آزادی پر قابض ہونے والوں کے خلاف برسر پیکار ہے، تو پھر آیئے ختم نبوت زندہ باد کی صدائیں بلند کرتے ہوئے آپ بھی اپنے علاقہ سے قادیانیت کو ختم کرنے کی کوشش کا آغاز کیجئے اور اپنے آپ کو اس قافلہ ختم نبوت میں شامل سمجھئے۔

☆......☆......☆

کمپوزنگ وسیٹنگ:
دلائٹ کمپیوٹر سینٹر دیوبند 7017483817

نوجوان عالم دین حضرت مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی
کے قلم سے منظر عام پر آچکی نایاب اور منفرد کتاب

قافلہ علم وحریت

لدھیانہ کے مجاہد علماء اور بہادر فرزندوں کی
تین سو سالہ تاریخ

مرتب :
محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر:
کتب خانہ احرار
فیلڈگنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ، پنجاب

تحریک تحفظ ختم نبوتؐ، مجلس احرار اسلام ہند کے
رضا کاروں کی داستان عزیمت

ایام اسیری

از قلم:
محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر:
کتب خانہ احرار
فیلڈگنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ، پنجاب

مجاہد آزادی ہند، بطل حریت، فاتح قادیان، بانی مجلس احرار اسلام ہند
کی دینی، انقلابی اور ملی قربانیوں کی عظیم الشان تاریخ پڑھنے کے لئے
نوجوان عالم دین مولانا محمد عثمان رحمانی لدھیانوی کی یہ کتاب پڑھیں

رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمتہ علیہ

سوانح............اور...........خطبات

مرتب:

محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر:

کتب خانہ احرار

فیلڈگنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ، پنجاب

زیر طبع

رودادِ وفا

تقسیم ہند کے بعد مشرقی پنجاب میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کیلئے
۱۹۴۷ء کے بعد خاندان علماء لدھیانہ کے ساتھ قربانیاں
دینے والے افراد کی سنہری تاریخ

از قلم

محمد عثمان رحمانی لدھیانوی

ناشر:
کتب خانہ احرار
فیلڈگنج چوک، جامع مسجد لدھیانہ، پنجاب

مضامین
رئیس الاحرار

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی قدس سرہٗ

ہماری بڑی کوتاہی اور جرم ہے کہ ہم اپنی ہمسایہ قوم کو ایک ہزار سال میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے متعارف نہیں کرا سکے، ہم ہر سال کروڑوں روپیہ مولود خوانی اور سیرت النبیؐ کے جلسوں پر تو خرچ کرتے ہیں، لیکن اپنے ہم وطنوں کو آپ کی سیرتؐ مقدسہ سے متعارف نہیں کراتے ہم سب کو خدا کے سامنے اپنی اس غفلت کا جواب دینا ہوگا۔

جو شخص تم کو کہتا ہے کہ یہ ملک ہندوؤں کا ہے مسلمانوں کا نہیں ایسا کہنے والا یا تو احمق ہے یا بڑے درجے کا بے ایمان، صدیوں سے بحیثیت مسلمان کے ہم اس ملک میں رہتے ہیں، ہماری مساجد اور مقابر ملک بھر میں موجود ہیں۔ ہمارے تمدن اور ہماری تہذیب نے سینکڑوں برس اس ملک پر حکمرانی کی ہے، ہم یہیں پیدا ہوئے ہیں اور اسی زمین پر مریں گے، ہماری زندگی کا تمام مفاد اسی ملک کے ساتھ وابستہ ہے۔

شائع کردہ، کتب خانہ احرار، جامع مسجد لدھیانہ